معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۲۰ روپے فی شمارہ ۱۲ روپے

پاکستان میں سالانہ ۳۰۰ روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پچیس پونڈ یا چالیس ڈالر

بحری ڈاک نو پونڈ یا چودہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحیی، شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج اسٹریچن روڈ، کراچی۔

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع ماہ کے تیسرے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

☆ کمیشن ۲۵% ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۷۰ ماہ جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ مطابق ماہ اگست ۲۰۰۲ء عدد ۲

فہرست مضامین

شذرات ضیاء الدین اصلاحی ۸۲-۸۴

مقالات

سائنسی علوم کی اہمیت، اصول فقہ کی روشنی میں جناب مولانا محمد شہاب الدین ندوی مرحوم ۸۵-۱۰۱

افغانستان کلیم صفات اصلاحی ۱۰۲-۱۲۸

ملجی خراسانی ڈاکٹر نور السعید اختر صاحب ۱۲۹-۱۵۰

مکاتیب میں اقبال کی مخصوص روش پروفیسر اکبر رحمانی صاحب اور ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ۱۵۱-۱۵۵

مطبوعات جدیدہ ع۔ص ۱۵۶-۱۶۰

شذرات

گجرات کے بھیانک فساد کو کون بھول سکتا ہے، چار پانچ مہینے سے وہاں مسلسل قتل و خوں ریزی اور شیطنت وحیوانیت کا ننگا ناچ ہورہا ہے، صرف جان و مال کا اتلاف ہوتا تو یہ کہہ کر دل کو تسلی دی جاسکتی تھی کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے، وہاں جو کچھ ہوا اور ہورہا ہے انسان تو درکنار وحشی اور درندے بھی ایسا نہیں کرتے، گھر کے گھر اور بھرے پرے خاندان پھونک دیئے گئے، معصوم بچے اور عورتیں جلادی گئیں، حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کرکے جنین سمیت انہیں ماردیا گیا، عورتوں کو برہنہ کرکے ان کی عزتیں لوٹی گئیں، ان کے قریبی عزیزوں کی موجودگی میں ان کی عصمتیں برباد کی گئیں، مسجدیں، درگاہیں اور بزرگان دین کے مزار مسمار کرکے ان پر مندر، مکان اور سڑکیں بنادی گئیں، یا ہموار اور مسطح کرکے انہیں شاہراہوں اور گزرگاہوں میں تبدیل کردیا گیا، کیا یہ حرکتیں کرنے والے انسان تھے یا چوپائے بلکہ چوپایوں سے بھی بدتر اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا یا پھر وہ شیطانِ لعین جو اپنی اسی طرح کی حرکتوں پر فخر سے کہتا ہے۔

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے — قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو

ایک طرف ان خون خواروں کی یہ شیطنت، درندگی اور ہوس ناکی دوسری طرف ان کی ایسی عیاری، ہوشیاری اور چالاکی کہ شیطانی وحیوانی حرکتوں اور گھناؤنے جرائم میں ملوث ہونے کے بعد بھی وہ بےدھڑک دندناتے پھر رہے ہیں، بےخطا اور سفید پوش بنے ہوئے ہیں، نہ سماج نے ان پر کوئی نکیر و ملامت کی اور نہ حکومت اور قانون کی گرفت میں وہ آسکے، نہ ایف، آئی، آر درج اور نہ چارج شیٹ لگی اور اگر لگی بھی تو وہ کھیل تماشا بن گئی، ان کا کوئی بال بیکا نہ ہوا، اس لئے کہ حکومت خود انہیں بچانے اور ان کے جرموں کی پردہ پوشی میں لگی ہوئی ہے، انہیں ان کی وحشت و درندگی، فرقہ واریت کا زہر پھیلانے اور ملک کے فرقوں کا بنوارہ کردینے پر انعام اور شاباشی دے رہی ہے، کیوں کہ خود اسے نہ ملک کا مفاد عزیز ہے، نہ دنیا بھر میں اس کی رسوائی اور بدنامی کی پروا، نہ اس سے دلچسپی ہے کہ ملک سے خرابیاں اور بدعنوانیاں دور ہوں بلکہ صرف اپنے اقتدار سے غرض ہے اور وہ بھی جیسے تیسے، پورا ہندوستان یہاں تک کہ این، ڈی، اے کے اس کے حلیف بھی گجرات کے ہٹلر اعظم کو ہٹانے کے لئے چیختے چلاتے رہے، مگر ع خلقے ہمنت اک طرف آں شوخ تنہا اک طرف۔ کیا اندھیر ہے کہ کل تک جو لوگ بہار کے جنگل

راج کا ڈھنڈورا پیٹ کر وہاں اور اب کشمیر میں منصفانہ انتخابات کرانے کے لئے صدر راج قائم کرنے کے لئے بےچین ہیں، انہیں گجرات کا جنگل راج سجھائی ہی نہیں دیتا اور نہ وہاں منصفانہ انتخاب کرانے کا احساس ہے بلکہ سیاسی کامیابی کا امکان دیکھ کر قبل از وقت ہی انسانیت کے قاتلوں اور حیوانیت کے سرپرستوں کے زیر نگرانی الکشن کرانے جارہے ہیں ع ایں کہ می بینم بہ بیداری ست یارب یا بہ خواب۔

گجرات کی آگ بھڑکنے سے ایک روز پہلے گودھرا کا بہت قابل مذمت اور شرم ناک واقعہ پیش آیا تھا، جس میں ۵۹ افراد مارے گئے تھے جو حکومت کے بیان کے مطابق "کارسیوک" تھے، اس لئے گجرات سے لے کر مرکز تک ہر ایک اور خود نسیان میں اکثر مبتلا ہوجانے والے وزیر اعظم کو بھی نیوٹن کی تھیوری یاد آگئی جس کو گجرات کے بھیانک المیے کے جواز کا بہانہ بنالیا گیا اور تحقیق وتفتیش کے بغیر ہی گودھرا واقعہ کے لئے مسلمانوں کو مورد الزام قرار دے کر ان کی اندھا دھند گرفتاریاں کی گئیں جو ابھی تک محبوس ہیں اور اگر ضمانت بھی ہوجائے تو پتہ نہیں کب تک عدالتی کارروائی اور مقدمہ چلتا رہے گا۔

گودھرا واقعہ میں مسلمانوں کے ملوث ہونے اور حکومت کی نیت کے بارے میں اول روز ہی سے شک و شبہ ظاہر کیا جارہا تھا، حکومت واقعہ کی تفتیش نہ کرکے اور جلنے والی بوگی کے مسافروں کی تعداد نہ بتا کر اصل حقائق کو چھپانا چاہتی تھی مگر اب یہ حقیقت سامنے آرہی ہے کہ گودھرا سانحہ اور گجرات المیہ میں ایک ہی ہاتھ تھا اور گودھرا کا ڈرامہ گجرات کی جنونی کارروائیاں عمل میں لانے ہی کے لئے رچا گیا تھا۔

ہمارا اشارہ فورنسیک سائنسی لیباریٹری تحقیقات کی جانب ہے جس کو عملی تجربے سے پتہ چلا کہ ڈبے میں آتش زنی باہر سے نہیں اندر سے ہوئی تھی، باہر سے تو کوئی سیال مادہ اندر پھینکنا ممکن ہی نہیں تھا، حکومت پر اپوزیشن کا الزام ہے کہ [illegible] واقعہ کو بہانہ بنا کر دانستہ اس نے یہ تاثر پیدا کیا کہ اقلیتی فرقہ کے لوگوں نے ٹرین کے ڈبے میں آگ لگائی جس کے نتیجے میں ریاست کے دوسرے حصوں میں فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اٹھے تھے، سابق مرکزی وزیر رام ولاس پاسوان نے گودھرا میں جلی ہوئی کوچ نمبر ۶ دیکھنے کے بعد کہا کہ "یہ کوچ باہر سے ٹھیک ہے، آگ صرف اندر لگی ہے، اور وہ بھی اس طرح کہ آگے پیچھے کسی ڈبے کو حرارت تک نہ پہنچی، افسوس کی بات یہ ہے کہ بغیر کسی جانچ کے اس واقعہ کا ذمہ دار اقلیت کے لوگوں کو ٹھہرادیا گیا" کسی اور کو کیا کہا جائے جب خود وزیر اعظم نے گوا میں تحقیق وثبوت کے بغیر یہ غیر ذمہ دارانہ بیان دے کر کہ "اگر گودھرا والا سانحہ نہ پیش آتا تو گجرات میں فسادات نہ ہوتے"۔

فرقہ پرستوں اور شرپسندوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کے لئے جواز کا راستہ پیدا کیا، ہمیں خوشی ہے کہ فسطائیت اور فرقہ پرستی کے اس زہرناک ماحول میں کمزور اور نحیف ہی سہی حق کی آواز بھی کبھی کبھی سنائی دے دیتی ہے، ریپبلکن پارٹی آف انڈیا کے رکن مسٹر پرکاش امبیڈکر اسی رپورٹ کے پس منظر میں کہتے ہیں ''حکومت پر لازم ہے کہ وہ عوام کے سامنے اس سلسلے میں وضاحت پیش کرے'' اور مسلم لیگ کے لیڈر جی ایم بنات والا نے کہا ''حکومت کو عوام کے سامنے جواب دہی کرنی پڑے گی کہ کس طرح ایک اقلیتی مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو گھڑے ہوئے معاملہ کا شکار بنایا گیا، اب یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ گودھرا والے واقعہ میں مسلمانوں کا ہاتھ نہیں تھا''۔ مگر شاعر وزیر اعظم کی شوخ اداؤں سے اقلیتوں کی جو جانیں گئیں ان کا کیا ہوگا؟۔

گجرات کے الکشن میں بی جے پی کی کامیابی اس لئے یقینی ہے کہ کتنے مسلمان فساد کی نذر ہوچکے ہیں، جو بچ گئے ہیں ان کے گھر اور اثاثے جلائے اور لوٹے جاچکے ہیں، اچھی خاصی تعداد ابھی تک کیمپوں میں یا ادھر ادھر منتشر ہے، ان سب کے پاس جب شناختی کارڈ نہ ہوں گے تو وہ ووٹ نہیں دے سکیں گے، ان سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمان ابھی تک اتنے خوف زدہ اور ہراساں ہیں کہ وہ آزادی اور بے خوفی سے نہ ووٹ دے سکیں گے اور نہ سنگھ پریوار انہیں اپنی مرضی سے ووٹ دینے دے گا، وہ ہر طرح کا دباؤ اور ہتھکنڈا اختیار کرکے انہیں بی جے پی کو ووٹ دینے کے لئے مجبور کرے گا اور جب آزادانہ اور منصفانہ الکشن نہیں ہوگا تو نتیجہ ابھی سے معلوم ہے، گجرات میں فتح و کامرانی کے بعد سنگھ پریوار نے پورے ملک کو گجرات بنادینے کا منصوبہ بنایا ہے، ہردوار میں وشو ہندو پریشد کے صدر اشوک سنگھل نے کہا کہ ''اگر مسلمان ملک کو تقسیم کی طرف لے جانے کی کوشش کرتے رہیں گے تو انہیں زندگی بھر گجرات کی طرح کے پناہ گزیں کیمپوں میں رہنا ہوگا''۔ اسی طرح کی باتیں ان کے دوسرے ہم نوا بھی اشارتاً اور کنایتاً کہتے رہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ ''گجرات میں گودھرا المیہ کے بعد جو کچھ ہوا وہ ایک ہزار برسوں کی مسلم بنیاد پرستی کو ہندوؤں کی طرف سے دیا جانے والا پہلا مثبت جواب ہے'' وہ اور پریشد کے بین الاقوامی جنرل سکریٹری پروین بھائی توگاڑیا لاکھ اشتعال انگیز اور زہریلے بیانات دیں، ان سے بی جے پی کا سیاسی فائدہ ہوتا ہے اور اس کا معیار دوہرا ہے، اس لئے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوگی، پوٹو، پوٹا، مسلم جماعتوں کے لئے ہے، سنگھ پریوار کو ہر قسم کی چھوٹ ہے۔

مقالات

سائنسی علوم کی اہمیت

اصول فقہ کی روشنی میں

از: مولانا محمد شہاب الدین ندوی مرحوم *

اصول فقہ کیا ہیں؟

قرآن حکیم اور حدیث نبوی کے احکام اور ان کی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے فقہائے کرام نے ''اصولِ فقہ'' کے نام سے بعض بنیادی اصول وضوابط وضع کئے ہیں جو اصولی اعتبار سے کسی بھی کلام کا منشا ومراد سمجھنے کے عقلی ومنطقی پیمانے ہیں، یعنی کسی کلام کا مفہوم ومعنی سمجھنے کا صحیح منطقی طریقہ کیا ہوسکتا ہے؟ اس سلسلے میں فقہاء نے جو اصول وضع کئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں؟ اول مفرد الفاظ سے متعلق اور دوسرے عبارتوں سے متعلق۔ کیوں کہ کسی کلام یا متکلم کی کسی بات کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کلام سے متکلم کا اصل مقصد کیا ہے؟ تو یہ بات کبھی متکلم کے الفاظ سے سمجھی جاتی ہے تو کبھی ان الفاظ سے مرکب جملوں کے معانی ومدلولات سے، چنانچہ اس سلسلے میں علامہ بزدوی تحریر کرتے ہیں کہ احکامِ شریعت چند مخصوص الفاظ اور ان کے معانی ومطالب سے حاصل ہوتے ہیں (۱)۔

اس اعتبار سے اصول فقہ کی اصل بحث مفرد الفاظ اور ان سے مرکب جملوں سے حاصل ہونے والے معانی ومطالب سے ہے، چنانچہ مفرد الفاظ کے بارے میں جو بحث آتی ہے کہ کوئی لفظ کسی عبارت سے اپنے مدلول کے لحاظ سے ''خاص'' ہے یا ''عام''؟ یعنی اس سے کوئی مخصوص فرد مراد ہے یا اس کا اطلاق ہر فرد پر ہوسکتا ہے؟ نیز یہ کہ وہ آیا حقیقت ہے یا مجاز؟ یعنی لغوی اعتبار سے اس کے حقیقی معنی مراد ہیں یا وہ کسی مجازی معنی پر دلالت کر رہا ہے؟ اسی طرح آیا وہ صریح ہے یا کنایہ؟ یعنی اپنے مفہوم میں واضح ہے یا کسی رمز کی طرف اشارہ؟ محکم ہے یا متشابہ؟ یعنی وہ کوئی پکی بات ہے یا کسی مبہم حقیقت سے

---

* سابق جنرل سکریٹری فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور ۔۲۹

متعلق؟ چنانچہ لفظی اعتبار سے اس قسم کی جملہ سولہ بحثیں آتی ہیں، جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

اب رہے مرکبات یا مفرد الفاظ سے بنے ہوئے جملے تو معنوی اعتبار سے ان کے بارے میں متکلم کا مدعا کیا ہے؟ اسے حسب ذیل چار طریقوں سے سمجھا جاسکتا ہے: (۱) عبارۃ النص کے ذریعہ (۲) اشارۃ النص کے ذریعہ (۳) دلالۃ النص کے ذریعہ (۴) اور اقتضاء النص کے ذریعہ۔ ان کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اصول فقہ کی بنیاد اصول لغت پر یہ وہ فلسفیانہ اصول ہیں جو لغوی اور لسانی اعتبار سے الفاظ ومرکبات کے اسالیب بیان اور ان کے مدلولات سے مرکب ہیں اور وہ محض لغت اور زباندانی کی بنیاد پر مفہوم ہوتے ہیں۔ لہذا ان مباحث میں دینی چھاپ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کیوں کہ انہیں علمائے لغت نے وضع کیا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب خلاف تحریر کرتے ہیں:

> "قرآن اور حدیث کے نصوص عربی زبان میں ہیں، جن سے احکام ومسائل کو صحیح طور پر سمجھنا اس بات پر موقوف ہے کہ عربی زبان کے اسالیب کے مقتضا، ان کی دلالت کے طریقے اور ان کے مفرد الفاظ ومرکبات کے مفاہیم سے واقفیت حاصل کی جائے، اسی لئے علمائے اصول فقہ نے عربی زبان کے اسالیب، ان کی عبارتوں اور ان کے الفاظ کے استقرائی مطالعے کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اور اس سلسلے میں علمائے لغت نے جو (لسانی) قواعد وضوابط مقرر کئے ہیں، ان سب کے مدنظر شرعی نصوص کے ذریعہ احکام کو صحیح طور پر سمجھنے کی جانب قدم بڑھایا ہے، جن کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک عربی داں ان نصوص کا صحیح مفہوم ومطلب سمجھ سکتا ہے۔"

یہ لغوی قواعد وضوابط عربی زبان کے استقرائی مطالعے سے حاصل ہوتے ہیں اور ان کو عربی زبان کے ماہرین نے وضع کیا ہے۔ اس بنا پر ان میں کوئی دینی چھاپ نہیں ہے، بلکہ وہ عبارتوں کے فہم صحیح کے قواعد ہیں۔ اسی بنا پر ان کے ذریعہ عربی زبان میں وضع کردہ کسی بھی قانونی مواد کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ لہذا یہ بات قانونی یا عقلی کسی بھی طرح مناسب نہیں ہو سکتی کہ شارع کسی ایک زبان میں کوئی قانون وضع کرے مگر اس کے الفاظ اور عبارتوں کا مفہوم کسی دوسری زبان کے اسالیب کے مطابق

قرار دے کر امت سے اس کے فہم صحیح کا مطالبہ کرے۔ کیوں کہ کسی کو قانون کا پابند بنانے کی شرط یہ ہے کہ مکلف اس قانون کو سمجھے۔ اسی بنا پر قانون کو امت کی زبان میں وضع کیا جاتا ہے ورنہ وہ قانون اس پر حجت نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر ارشاد باری ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ "(۲) (ابراہیم: ۴)

اور ہم نے جس رسول کو بھیجا ہے وہ اس کی قوم کی زبان میں (پیغمبر بنا کر) بھیجا ہے تاکہ وہ (اللہ کے پیغام کو) ان پر واضح کردے۔

اصول فقہ کا اطلاق پورے قرآن پر اس اعتبار سے یہ اصول پورے قرآن اور اس کے تمام مضامین ومباحث کے فہم صحیح کے لئے لازمی ہیں، خواہ ان کا تعلق شرعی احکام ومسائل سے ہو یا فکری وتکوینی تعلیمات سے (جو فلسفہ وکلام کی بنیاد ہیں) قصص القرآن سے ہو یا منکرین ومعاندین کے ساتھ بحث ومباحثے سے۔ ان میں سے کسی بھی موضوع کی اہمیت کو گھٹایا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ یہ اصول اصلا متکلم کے کلام اور اس کے منشا ومقصود کو سمجھنے میں مدد دینے والے ہیں، خواہ اس کا موضوع کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ پورا قرآن اللہ تعالی کے پیغام پر مشتمل ہے جو انسان کے لئے ہر فکری ونظریاتی مسئلے میں عبرت وبصیرت کے اسباق پیش کرتے ہوئے قدم قدم پر اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ لہذا قرآن مجید نے مجموعی اعتبار سے جن امور ومسائل سے بحث کی ہے ان سب موضوعات کو علی وجہ البصیرت سمجھنے کے لئے ان اصولوں کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ ورنہ پھر قرآن ایک معمہ اور چیستاں بن کر رہ جائے گا اور اس کا کوئی بھی حکم قابلِ حجت نہیں رہ سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کا کوئی بھی اقدام کلامِ الٰہی اور اس کے اغراض ومقاصد سے اعراض کا باعث ہوگا۔

قرآن کے منصوص بیانات اس بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے "نص" اور "نصوص" کا مفہوم سمجھ لینا چاہئے، جو فقہی اصطلاحیں ہیں۔ نص کے معنی از روئے لغت کسی بات کی وضاحت میں مبالغہ کرنا ہے (۳) اور فقہاء کی اصطلاح میں نص وہ بیان ہے جس کے لئے کلام لایا گیا ہو (اور اس کی جمع نصوص ہے) النص ما یسبق الکلامُ لاجلہ (۴)

اس کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کسی عبارت یا کلام میں نص سے مراد وہ مفہوم ہے جو مقصود بالذات ہو۔ یعنی جس کے اثبات کے لئے کوئی بات کہی گئی ہو اور وہ بات بطور شرح وتفسیر نہ ہو، بلکہ خود مصنف کے الفاظ سے ظاہر ہونے والا مفہوم ہو جیسے ارشاد باری ہے:

وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ۔۲۷۵) اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

یہ آیت کریمہ تجارت اور سود میں فرق ظاہر کرنے اور ان کو ایک قرار دیئے جانے کی نفی کے سلسلے میں نص (واضح بیان) ہے اور اس کو قرآن کا ''منصوص'' بیان بھی کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس منصوص بیان سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، جو مقصود بالذات ہیں: ۱۔ تجارت سود کے مانند نہیں ہے، بلکہ ان دونوں میں فرق ہے، ۲۔ تجارت حلال اور سود حرام ہے (۵)۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (نساء:۳)

اگر تم یتیم لڑکیوں سے بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو (ان کے ماسوا) جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کرلو، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ (ان کے درمیان) انصاف نہ کرسکو گے تو پھر (تمہارے لئے) ایک ہی کافی ہے۔

اس آیت کریمہ سے منصوص طور پر تین باتیں ثابت ہوتی ہیں: ۱۔ پسندیدہ عورتوں سے نکاح کرنے کی اباحت یا اجازت۔ ۲۔ بیویوں کی تعداد چار تک محدود رکھنا۔ ۳۔ اور تعدد ازدواج کی صورت میں بیویوں کے درمیان عدل قائم نہ کرسکنے کے اندیشے کے باعث ایک ہی پر اکتفا کرنا (۶)۔

نصوص کی چار قسمیں نص کی جمع نصوص ہے اور نصوص کا لفظ جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد قرآن اور حدیث کے ''واضح بیانات'' ہوتے ہیں اور نص کا ایک دوسرا مفہوم بھی ہے، جو مفرد الفاظ کی بحث میں آتا ہے۔ اس موقع پر ''نصوص اربعہ'' کی کچھ تفصیلات بیان کرنا مقصود ہے کہ مرکبات یا الفاظ سے بنے ہوئے جملوں کی دلالت منطقی اعتبار سے چار طریقوں سے ہوتی ہے جو یہ ہیں: ۱۔ کبھی یہ

دلالت کسی جملے کی عبارت سے ''مجموعی طور پر'' ہوتی ہے ۲۔ کبھی بطور اشارہ ''ضمنی طور پر'' ہوتی ہے ۳۔ کبھی بطور دلالت ''بغیر اجتہاد کے'' ہوتی ہے ۴۔ اور کبھی مجموعی اعتبار سے کلام کے تقاضے کے تحت ''ایک زائد مفہوم کے طور پر'' ہوتی ہے اور ان چاروں کو بالترتیب عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص کہا جاتا ہے، چنانچہ ان نصوص کے مدلولات کے تحت جو معانی ومطالب (بغیر کسی زائد شرح وتفسیر کے) واضح ہوجائیں وہ قابل حجت ہیں اور ان پر عمل کرنا واجب ہے (۷)

ان تمہیدی مباحث کے بعد اب ان چاروں نصوص کی تعریف وتفصیل بیان کی جاتی ہے۔

چنانچہ عبارۃ النص سے مراد کسی لفظ یا جملے کا وہ مفہوم ہے جس کے لئے عبارت قصداً لائی گئی ہو اور اشارۃ النص سے مراد کسی لفظ یا جملے کا وہ ضمنی مفہوم ہے جو قصداً نہیں بلکہ تبعاً ظاہر ہورہا ہو۔ چنانچہ ان دونوں کی مثال یہ ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ۔۲۳۳)

اور بچہ جس کا ہے (یعنی باپ) اس پر دودھ پلانے والیوں (یعنی دایاؤں) کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری معروف طریقے سے عائد ہوتی ہے۔

اس آیت کریمہ سے ''منصوص'' طور پر دو احکام ثابت ہورہے ہیں: پہلا حکم یہ ہے کہ دودھ پلانے والی دایاؤں کا کھانا اور کپڑا باپ کے ذمہ ہے اور دوسرا حکم یہ ہے کہ بچے کا نسب باپ کی طرف ہوگا، اس اعتبار سے یہ کلام پہلا حکم ثابت کرنے کے لئے قصداً (بطور عبارۃ النص) ثابت ہورہا ہے،

دلالۃ النص سے مراد کسی عبارت کا وہ مفہوم ہے جو [illegible] لغت کی رو سے ثابت ہورہا ہو اور اس میں اجتہاد یا استنباط کا کوئی دخل نہ ہو [illegible] اسے قیاس جلی بھی کہا جاتا ہے (۹) اور اس کی مثال یہ آیت کریمہ ہے

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (بنی اسرائیل۔۲۳)

اور (اس نے) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے کہ اگر ان دونوں میں کوئی ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف بھی مت کہہ اور نہ انہیں جھڑک، بلکہ ان سے نرمی سے بات کر۔

اس آیت کریمہ میں بطور عبارۃ النص جو بات ثابت ہو رہی ہے۔ وہ یہ کہ والدین کو جھڑکنا منع ہے۔ اور یہ بات محض لغت کی رو سے ثابت ہو رہی ہے لہٰذا اس حکم کی دلالت اس بات پر ہو رہی ہے کہ انہیں مارنا بھی ممنوع ہے جو جھڑکنے سے زیادہ سخت فعل ہے حالانکہ یہ حکم آیت میں مذکور نہیں ہے۔ بلکہ مفہوم ہو رہا ہے۔ (۱۰)

اور اقتضاء النص سے مراد کسی لفظ کی وہ دلالت ہے۔ جو غیر مذکور بات پر ہوتی ہو اور کلام کی درستگی اس پر موقوف ہو۔ (۱۱)۔ مگر اس میں قیاس شرعی کا کوئی دخل نہ ہو۔ (۱۲) اس کی مثال یہ ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ .... (نساء: ۲۳)

تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں۔

یہاں پر ماؤں اور بیٹیوں وغیرہ کو حرام قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے نکاح کرنا حرام ہے نہ کہ وہ بالذات تم پر حرام ہیں۔ اسی طرح حسب ذیل آیت میں جن چیزوں کی حرمت بیان کی گئی ہے اس سے مراد ان چیزوں کا کھانا اور ان سے استفادہ کرنا حرام ہے۔ (۱۳)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ .... (مائدہ۔۳)

تم پر حرام کیا گیا ہے مرا ہوا جانور، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔

ان چاروں نصوص سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں وہ ان کے ''ظاہری'' معانی و مطالب ہوتے ہیں اور ان میں قیاس یا رائے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ (۱۴) اس لئے ان نصوص کے مقتضا پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے، اسی طرح کوئی نص جتنے بھی معنی پر دلالت کرتی ہو ان سب پر عمل کرنا بھی واجب ہے۔ (۱۵) اور نصوص کا انکار ضلالت و گمراہی ہے، کیوں کہ اس سے اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا (احزاب: ۳۶)

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔

اصول فقہ کے بیس مباحث

واضح رہے اس سلسلے میں ائمہ لغت نے جملہ بیس بحثیں وضع کی ہیں، جن میں سے سولہ مفرد الفاظ سے متعلق ہیں اور چار مرکبات یا جملوں کے بارے میں ہیں، چنانچہ اوپر نصوص کی جو چار قسمیں بیان کی گئی ہیں وہ مرکبات کے بارے میں ہیں، اب رہے وہ مفرد الفاظ جو معنوی یا الفاظ کی دلالت کے اعتبار سے واضح یا غیر واضح ہوتے ہیں تو منطقی اعتبار سے ان سب کی سولہ قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ اور انہیں بعض مناسبتوں کی بنا پر چار گروپوں میں بانٹا گیا ہے۔ جو یہ ہیں۔

پہلا گروپ: خاص، عام، مشترک اور مؤوّل
دوسرا گروپ: ظاہر، نص، مفسر اور محکم
تیسرا گروپ: خفی، مشکل، مجمل، اور متشابہ
چوتھا گروپ: حقیقت، مجاز، صریح اور کنایہ

ان میں سے دوسرے گروپ کی چاروں بحثیں تیسرے گروپ کی ضد ہیں یعنی ظاہر خفی کی ضد ہے۔ نص مشکل کی، مفسر مجمل کی اور محکم متشابہ کی ضد ہے۔ غرض قرآن اور حدیث کے صحیح فہم کے لئے ان مباحث کو سمجھنا بہت ضروری ہے چنانچہ ''اصول فقہ'' کی کتابوں میں ان ہی مسائل پر بحث کی جاتی ہے، اور ان کی بنیاد پر قرآنی احکام و مسائل کی تحقیق و تدوین ہوتی ہے یہ اصول فقہ کے مباحث کا خاکہ ہے، تفصیلی بحث کا موقع یہاں نہیں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اصول فقہ کی کتابیں عام فہم ہونے کے بجائے انتہائی مشکل و خالص منطقی زبان میں ہیں۔ جس کی بنا پر ایک عام پڑھا لکھا آدمی انہیں سمجھ نہیں سکتا، چنانچہ ہم نے ان مباحث کو نہایت درجہ آسان الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ اس کی بنیاد پر اصول فقہ کی کتابوں سے استفادہ آسان ہو جائے۔ اصول فقہ کی کتابوں میں شیخ عبدالوہاب خلاف کی کتاب ''علم اصول الفقہ'' نسبتاً آسان ہے۔

نصوص اربعہ فہم قرآن کی کلیدیں

غرض اس موقع پر ہماری اصل بحث ''نصوص اربعہ'' سے ہے، جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ یہ چاروں نصوص قرآنی مضامین اور ان کے منشاء و مدعا کو علی وجہ البصیرت سمجھنے کے لئے ایک شاہ کلید (ماسٹر کی) کی طرح ہیں اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ان کا اطلاق قرآن

کے تمام مضامین ومباحث پر ہونا چاہئے۔ صرف فقہی احکام کی تخصیص کی کوئی وجہ یا کوئی دلیل نہیں ہے یعنی ان منطقی اصولوں کو جس طرح فقہی احکام ومسائل پر عائد کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح انہیں فکری وتکوینی یعنی نظام کائنات سے متعلق احکام ومسائل پر بھی عائد کیا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ تمام مسائل ومباحث باری تعالیٰ کی ''ہدایت'' ہی سے متعلق ہیں۔ جن میں تفریق کرنے کا ہمیں کوئی اختیار نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ منطقی اعتبار سے جن جن آیات کا جو مفہوم ''منصوص طور پر'' یعنی مذکورہ بالا ''نصوص'' کے تحت ثابت ہوجائے اسے بے چون وچرا تسلیم کرنا شرعاً واجب ہے ہم محض اپنی صوابدید کی رو سے قرآن حکیم کے بعض بیانات کو ''ضروری'' اور بعض بیانات کو ''غیر ضروری'' قرار دے کر خدائی اغراض ومقاصد کو مہمل ومعطل قرار نہیں دے سکتے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات خدا کی عدول حکمی اور کھلی ہوئی نافرمانی ہوگی۔ لہٰذا ہمارا ایمان اور عمل پورے قرآن پر ہونا چاہئے۔ کیونکہ کلام الٰہی ہمارے لئے ہر اعتبار سے قابل حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور اس کی مصلحتیں وہی جانے۔ ہم اپنے ناقص علم کی بنا پر باری تعالیٰ کے علم کو چیلنج نہیں کرسکتے۔ معاذ اللہ۔

بے دلیل وسند دین میں کلام کرنا ممنوع

اسی طرح ہم بے دلیل وسند خدائی کلام میں گفتگو کرتے ہوئے اس کے منصوص احکام ومسائل میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کرسکتے یا انہیں معطل نہیں کرسکتے، چاہے وہ فقہی وشرعی احکام ومسائل ہوں یا فکری وتکوینی۔ چنانچہ دین میں بغیر علم وسند یا محض ظن وتخمین کی بنا پر گفتگو کرنا ممنوع اور قابل مواخذہ جرم ہے، اس اصول کی تفصیلات سے قرآن حکیم بھرا ہوا ہے۔ اسی سلسلے میں اس نے یہود ونصاریٰ اور مشرکین ومنکرین کے ساتھ جو کلام کیا ہے اس کی ساری بنیاد بھی یہی ہے کہ یہ تمام فرقے بغیر کسی دلیل یا علم صحیح کے دینی اصولوں میں محض ظن وتخمین یا گمان کی بنا پر گفتگو کرتے تھے، چنانچہ اہل کتاب کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

هَٰأَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِ

ہاں دیکھو تم ہی وہ لوگ ہو جنھوں نے اس چیز میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں علم تھا، تو تم اس چیز میں کیوں

عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (آل عمران:۶۶)

جھگڑتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہیں ہے؟ (جب کہ یہ تمام باتیں) اللہ ہی جانتا ہے؟ تم نہیں جانتے۔

اسی طرح بعض دیگر مواقع پر بغیر علم وسند کے گفتگو کرنے والوں کی نہایت درجہ سخت انداز میں مذمت کی گئی ہے۔ بعض آیات ملاحظہ ہوں:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ (حج:۸)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم صحیح بغیر دلیل شرعی اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل:۳۶)

اور تو اس چیز کے پیچھے مت پڑ، جس کا تجھے کوئی علم نہیں ہے، کیوں کہ کان، آنکھ اور دل ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (یونس:۳۶)

ان میں اکثر لوگ محض اٹکل سے کام لیتے ہیں حالانکہ اٹکل بازی حق بات کے لئے کچھ بھی سودمند نہیں ہوسکتی۔

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (بقرہ-۸۵)

تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے اور اس کے دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو؟ تو تم میں سے جو کوئی اس کا ارتکاب کرے اس کی سزا کیا ہے، سوائے دنیا میں ذلت ورسوائی کے؟

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ (یونس:۳۹)

بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جس کے علم کا وہ احاطہ نہ کرسکے اور اس کی حقیقت ان پر ابھی تک واضح نہیں ہوسکی ہے، اسی طرح ان سے پہلے والوں نے بھی (کلام الٰہی کی) تکذیب کی تھی تو دیکھو ظالموں کا انجام کیسا رہا۔

لہٰذا جہاں تک یہود ونصاریٰ کی پیروی کرنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بعض ایسی حدیثیں مذکور ہیں جن میں یہ پیش گوئی موجود ہے کہ اہل اسلام بھی یہود ونصاریٰ کی اتباع کرتے ہوئے سو فیصد ان کے نقش قدم پر چل پڑیں گے، مثلاً:

لا تقوم الساعة حتى تاخذ امتى باخذ القرون قبلها شبرا بشبر وذراعا بذراع فقيل يا رسول الله كفارس وروم؟ فقال ومن الناس إلا اولئك (۱۶)

قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ میری امت بھی اگلی امتوں کی روش بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ کر کے (یعنی پوری طرح) اختیار نہ کرلے گی۔ اس پر لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا (یہ بات) پارسیوں اور رومیوں کی طرح ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا کہ ان کے سوا اور کون لوگ ہوسکتے ہیں۔

لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا شبرا وذراعا بذراع حتى لو دخلوا حجر ضب تبعتموهم قلنا يا رسول الله اليهود والنصارى؟ قال فمن (۱۷)

تم اگلے لوگوں کے طریقوں پر بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ کر کے چلوگے، یہاں تک کہ وہ اگر کسی گوہ (ایک جانور جو زمین کے اندر بل بنا کر رہتا ہے) کی بل میں گھس پڑیں تو تم بھی یہی کروگے۔ (راوی حدیث کہتے ہیں کہ) ہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں؟ فرمایا کہ پھر کون؟

زوالِ امت کا اصل سبب

حاصل یہ کہ بغیر دلیل وحجت کتاب اللہ میں گفتگو کرتے ہوئے اس کے بعض علوم ومسائل کو ضروری اور بعض کو غیر ضروری قرار دینا گویا کہ کتابِ الٰہی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے جس کے ہم اہل نہیں ہیں۔ ہم خدائی حکمتوں اور مصلحتوں سے واقف نہیں ہیں اور ہمارا علم خدائی علم کے سامنے ہیچ ہے، لہذا ہمیں یہود ونصاریٰ کی پیروی کرکے دنیا میں ذلت اور آخرت میں رسوائی مول لینے کے بجائے خدائے علیم وخبیر کے تمام احکام چاہے وہ دینی ہوں یا تمدنی وفکری۔ کی پیروی کرتے ہوئے "پورے پورے مسلمان" بننا چاہئے اور ہر اعتبار سے "دین کامل" کا اتباع کرنا چاہئے۔ چنانچہ آج ان خدائی احکام میں "تفریق" ہی کے باعث امتِ مسلمہ دینی ودنیوی دونوں حیثیتوں سے پس ماندہ نظر آرہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان تمدنی وعسکری اور استدلالی دونوں میدانوں میں زوال پذیر ہوکر حاشیے پر آگئے ہیں، جب کہ باری تعالیٰ نے تکوینی یا سائنسی علوم کو قوموں کے عروج وزوال کا ذریعہ بنایا ہے، چنانچہ اوپر مذکورہ آیات کے مطابق کتابِ الٰہی میں "تفریق" ہی کے باعث کسی قوم کو دنیا میں ذلیل

ورسوا کیا جاتا ہے اور یہ باری تعالیٰ کا ازلی وابدی فیصلہ ہے اور آج مسلمان اس ازلی فیصلے کی مار جھیلتے ہوئے دنیا میں ہر جگہ ذلت ورسوائی کی تصویر مجسم بنے ہوئے ہیں، لہذا اب ہمیں منصبِ خلافت پر دوبارہ فائز ہونے کے لئے اس راہ میں پوری جدوجہد کرنی چاہئے۔

تکوینی علوم خلافتِ ارض کی کنجیاں

اس موقع پر قرآن حکیم کے بعض تمدنی وتکوینی احکام ومسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے "منصوص" طور پر ان پر بحث کی جاتی ہے، یعنی "نصوص" کی روشنی میں ان احکام کی اہمیت واضح کی جاتی ہے، تاکہ ہماری امت کلام الٰہی کی صحیح قدر وقیمت سے آگاہ ہوکر خلافتِ ارض کے میدان میں پھر سے آگے بڑھنے کی تدبیر کرسکے۔ چنانچہ اس سلسلے میں قرآن حکیم میں سب سے زیادہ جامع اور عظیم ترین آیت کریمہ یہ ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (بقرہ:۱۶۴)

آسمانوں اور زمین کی خلقت (بناوٹ) اور دن رات کی کمی بیشی میں اور ان کشتیوں (اور جہازوں) میں جو لوگوں کے فائدے کا سامان (تمدن) لے کے چلتے ہیں اور اس بارش میں جسے اللہ بادل سے برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ (خشک) ہوچکنے کے بعد زندہ (تروتازہ) کردیتا ہے اور ان (طرح طرح کے) حیوانات میں جو اس نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور اس بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتا ہے (ان تمام مذاہب میں) یقیناً عقل مندوں کے لئے وجود باری کی نشانیاں موجود ہیں۔

یہ آیت کریمہ منصوص طور پر (بطور عبارۃ النص) دو بنیادی مسائل پر روشنی ڈال رہی ہے: ایک یہ کہ ان تمام مظاہر میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں یعنی دلائلِ ربوبیت موجود ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ دلائل

ربوبیت عقل والے جان سکتے ہیں۔ یہ باری تعالیٰ کا ابدی فیصلہ ہے، جس میں شک کرنا یا اس میں کسی قسم کی تاویل کرنا گویا کہ معاذ اللہ کلام الٰہی کو جھٹلانا یا اپنے آپ کو خدائے علیم وخبیر سے زیادہ دانش مند ثابت کرنا ہے۔ اس آیت کریمہ میں کائنات کے آٹھ مظاہر کا تذکرہ کیا گیا ہے اور دیگر مقامات میں ان مظاہر کے مختلف پہلوؤں کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور یہ ساری تفصیلات مختلف اسالیب میں بار بار بیان کی گئی ہیں اور ان کے دینی و دنیوی فوائد واضح کئے گئے ہیں، جو "علم الاسماء" یا "علم الاشیاء" سے متعلق ہیں اور یہی وہ علم ہے جو انسان اول (حضرت آدم علیہ السلام) کو اس کی اہمیت کے پیش نظر پہلے ہی دن عطا کردیا گیا تھا۔ چنانچہ اس علم میں مہارت حاصل کرنے کے بعد ہی کوئی قوم علمی واستدلالی اور تمدنی، عسکری میدانوں میں سربلند ہوسکتی ہے۔

غرض اس موقع پر "لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ" کہہ کر اہلِ اسلام "کو عقل" کے استعمال پر ابھارا گیا ہے۔ چنانچہ عقل کے لوازم میں حسب ذیل امور آتے ہیں: ۱۔ غور وفکر یا "تفکر"، ۲۔ سوجھ بوجھ یا "فقہ"، ۳۔ اور ان دونوں کے نتیجے میں سامنے آنے والے علمی حقائق پر متنبہ ہونا یعنی "تذکر"۔ چنانچہ عقل اور اس کے ان لوازم کی بعض مثالیں ملاحظہ ہوں، جن کے مطابق پہلی آیت میں عقل، دوسری میں تفکر، تیسری میں فقہ اور چوتھی میں تذکر پر ابھارا گیا ہے:

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (رعد: ۴)

زمین میں بعض خطے ایسے ہیں جو پاس پاس واقع ہیں اور انگور کے باغات کھیتیاں اور کھجور کے درخت بھی شاخوں دار اور غیر شاخوں دار ہیں، ان سب کو ایک ہی پانی سے سینچا جاتا ہے (لیکن) ہم ان کے ذائقوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں، چنانچہ اس مظہر ربوبیت میں عقل والوں کے لئے (وجود باری کی) نشانیاں موجود ہیں۔

اس آیت کریمہ میں بطور عبارۃ النص حسب ذیل حقائق موجود ہیں: ۱۔ زمین میں بعض مختلف خصوصیات کے حامل خطے قریب قریب یا متصل طور پر موجود ہوتے ہیں، ۲۔ اور مختلف مقامات پر مختلف قسم کے باغات، کھیتیاں اور پھلوں کے درخت بھی پاس پاس ہوتے ہیں، ۳۔ ان سب کو بارش یا کسی نہر کے ایک ہی پانی سے سینچا جاتا ہے، ۴۔ لیکن ان کھیتوں، میووں اور باغوں میں اگنے والے مختلف قسم کے نباتات (پھلوں اور ترکاریوں وغیرہ) کے ذائقے مختلف ہوتے ہیں، ۵۔ اس مظہر ربوبیت میں دانش مندوں کے لئے وجودِ باری کے دلائل موجود ہیں:

وَهُوَ الَّذِيْٓ أَنْشَأَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ (انعام: ۹۸)

اور وہی ہے (تمہارا رب) جس نے تم سب کو ایک نفس (آدم) سے پیدا کیا تو (تم سب کا) ایک (عارضی) ٹھکانہ اور ایک (آخری) جائے پناہ ہے، سمجھنے والوں کے لئے ہم نے (اس سلسلے کی تمام) نشانیاں تفصیل سے بیان کردی ہیں۔

وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهٗ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ (نحل: ۱۳)

اور جو کچھ اس نے روئے زمین پر (طرح طرح کی چیزیں) پھیلا دی ہیں ان کے رنگ مختلف ہیں، اس (مظہر ربوبیت) میں متنبہ ہونے والوں کے لئے ایک (بڑی) نشانی موجود ہے۔

علم مظاہر دین میں بحث اوپر مذکورہ آخری تین آیات میں اسلوب بدل بدل کر نظامِ کائنات میں غور وخوض کرنے کی دعوت دیتے ہوئے خصوصی طور پر بتایا جارہا ہے کہ ان تمام مظاہر میں دلائل ربوبیت موجود ہیں، چنانچہ پہلی آیت میں تفکر کرنے پر زور دیا گیا ہے جو عقل کی پہلی منزل ہے اور اس غور وفکر کے نتیجہ میں فقہ یا سمجھ بوجھ کی باری آتی ہے، جو عقل کی دوسری منزل ہے۔ اس طرح مظاہر فطرت میں موجود وہ "قوانین" واضح ہوتے ہیں جو باری تعالیٰ کی "نشانیاں" یا دلائلِ ربوبیت کہلاتے ہیں اور یہ دلائلِ ربوبیت تیسری آیت کے مطابق "تذکر" یا متنبہ یا چونکانے کا باعث ہوتے ہیں اور یہ

عقل کی آخری منزل ہے جو نتائجِ فکر یہ تک پہنچاتی ہے اور اس طرح حاصل ہونے والی معلومات ''علم'' کہلاتی ہیں یعنی وہ علم جسے خلاقِ عالم نے اپنی ربوبیت کے اظہار کے طور پر اس کائنات میں رکھ چھوڑا ہے، اس نقطۂ نظر سے ربوبیت کا علم اس کائنات کے اندر ودیعت شدہ ''منظم قوانین'' کے مطالعے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ علم محسوسات (مشاہدات و تجربات) کے ذریعہ حاصل شدہ ''معلومات'' میں معقولی یا استدلالی طور پر ظاہر ہوتا ہے، لہٰذا مذکورہ بالا آیات میں ''معقولی'' اندازِ فکر اپنانے پر زور دیا گیا ہے اور اس طریقہ سے جو علم حاصل ہو وہ ''علم مظاہر'' یا ''علم الاسماء'' کہلاتا ہے جو دین میں حجت ہے اور یہ علم دوہرے فوائد کا حامل ہے جو مادی اور استدلالی دونوں اعتبار سے مفید ہے کیوں کہ قوانینِ ربوبیت ان دونوں پہلوؤں کے حامل ہیں۔

غرض یہ کائنات چونکہ منظم قوانین وضوابط کا مجموعہ ہے اس لئے مطالعۂ کائنات کے ذریعہ حاصل ہونے والی معلومات بھی ''علم'' کے نام سے موسوم کی گئیں ہیں، اسی لئے بعض آیات میں اس علم سے متصف لوگوں کو ''اہل علم'' کے معزز لقب سے نوازتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ ایسے ہی لوگ ''آیاتِ الٰہی'' یا دلائلِ ربوبیت کو سمجھنے کے اہل ہیں:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ (یونس:۵)

وہی ہے (تمہارا رب) جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرسکو، اللہ نے ان مظاہر کو پوری حقانیت (حکمت و منصوبہ بندی) کے ساتھ پیدا کیا ہے، چنانچہ وہ اہل علم کے لئے (اپنی) نشانیاں تفصیل سے بیان کرتا ہے۔

علم مظاہر ایمان و یقین کا باعث اس آیت کریمہ سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ یہ آسمانی نظام یا یہ کائنات منتشر قوانین کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک باضابطہ نظام ہے، جس میں کہیں بھی

رخنہ یا شگاف موجود نہیں ہے، ورنہ چاند اور سورج کی گردش اور ان کی رفتار کی بدولت برسوں کی گنتی اور حساب منظم طور پر کبھی ظاہر نہ ہوتے، چنانچہ ان منظم قوانین کا جائزہ ہی ''مطالعہ ربوبیت'' کہلاتا ہے، غرض نظام کائنات کے اس مطالعہ و جائزہ سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ شرعی نقطہ نظر سے معتبر ہے اور اسے کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اس علم کے حجت ہونے پر کتاب الٰہی میں بے شمار آیات موجود ہیں اور یہی وہ علم ہے جو منکرین حق کو راہ راست پر لانے کا باعث ہوسکتا ہے۔ اسی لئے بعض آیات میں اس علم کو ''یقین'' اور ''ایمان'' کا ذریعہ بتایا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (نمل:۸۶)

کیا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا کہ ہم نے رات کو اس طرح بنایا کہ وہ اس میں سکون حاصل کریں اور دن کو روشن بنایا؟ اس مظہر (ربوبیت) میں یقیناً ایمان لانے والوں کے لئے دلائلِ ربوبیت موجود ہیں۔

إِنَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِلْمُؤْمِنِينَ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ (جاثیہ:۳-۴)

اہل ایمان کے لئے آسمانوں اور زمین میں یقیناً (بہت سی) نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہاری خلقت (جسمانی احوال) اور ان جانداروں میں بھی جن کو اس نے (روئے زمین پر) پھیلایا ہے، یقین کرنے والوں کے لئے دلائل (ربوبیت) موجود ہیں۔

اسی طرح بعض مقامات پر اس علم کو اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اللہ سے ڈرنے کا بھی ذریعہ قرار دیا گیا ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ (ذاریات:۴۹-۵۰)

اور ہم نے ہر چیز کا جوڑا بنادیا ہے تاکہ تم چونک سکو، لہٰذا تم اللہ کی طرف دوڑو، میں تو اس کی جانب سے تمہیں کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

دن رات کے اختلاف میں اور ان تمام چیزوں میں جن کو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کر رکھا ہے، ڈرنے

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ٥ (یونس:۶)

والوں کے لئے یقیناً (بہت سی) نشانیاں موجود ہیں۔

دلائلِ رُبوبیت کی تاثیر چنانچہ اس علم مظاہر (علم الاسماء) میں رُسوخ حاصل کرنے کے بعد آیاتِ الٰہی یا دلائلِ رُبوبیت کو توجہ کے ساتھ سننے اور باری تعالیٰ کی شکر گذاری کے جذبات دل کی گہرائیوں کے ساتھ نمودار ہونے لگتے ہیں، جو ایمان و یقین میں اضافے کا باعث ہیں، اسی لئے ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ٥ (نحل:۶۵)

اللہ نے بادل سے پانی اتارا اور اسی کے ذریعہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا، اسی مظہر میں سننے والوں کے لئے ایک (خاص) نشانی موجود ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ٥ (روم:۲۳)

اور اس (کے وجود) کی نشانیوں میں سے ہے رات اور دن میں تمہارا سونا اور اس کا فضل تلاش کرنا، یقیناً اس مظہر رُبوبیت میں سننے والوں کے لئے دلائل موجود ہیں،

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ۔ (اعراف:۵۸)

جو خطۂ ارض بہتر ہے اس کے پودے اپنے رب کے حکم سے (بہتر ہی) نکلتے ہیں اور جو بدتر ہے اس کے پودے ٹیڑھے میڑھے نکلتے ہیں اسی طرح ہم اپنی نشانیاں شکر گذاروں کے لئے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔

علم کے مختلف مدارج ان آیات میں علم کے مختلف مدارج پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ وہ کس طرح عقل کی مختلف منزلوں سے گذرتے ہوئے ایمان و یقین اور شکر گذاری کی کیفیات سے انسان کو دوچار کرسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام نتائج عقل و تدبر اور غور و فکر کی تاثیرات ہیں اور یہ نتائج کلیہ باری تعالیٰ کی نظر میں معتبر ہیں، اسی لئے اس نے ان تمام نتائج کو الگ الگ طور طور پر اور بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے تاکہ حاملین قرآن علم کے ان مدارج اور عقل و دانش کے ان پہلوؤں کو کسی بھی طرح

نظر انداز نہ کریں، اسی بنا پر مظاہر کائنات کے علاوہ خود قرآن حکیم کے مضامین و مباحث میں بھی تدبر کرنے کی تاکید کرتے ہوئے عقل و دانش کا واسطہ دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص:۲۹)

یہ ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ کے پاس بھیج دی ہے تاکہ وہ لوگ (مسلمان) اس کی آیتوں میں غور کریں اور پختہ عقل والے (اس کے انوکھے مضامین پر) چونک سکیں۔

یہ آیت کریمہ اس حقیقت پر روشنی ڈال رہی ہے کہ اس کتاب حکمت میں ایسے ابدی حقائق و معارف موجود ہیں جو اولوالالباب کو متنبہ کرنے یا انہیں چونکانے والے ہیں چنانچہ خود کتاب الٰہی ان حقائق یا نتائج فکریہ تک پہنچنے میں ہماری مدد کرتی ہے جو مظاہرِ کائنات کے تحقیقی مطالعے و جائزے سے حاصل ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم قرآنی مقاصد اور اس کے تقاضوں کے مطابق عقل و دانش اور تفکر سے کام لیں ورنہ ان قوتوں کو معطل کر دینے کے باعث سوائے حیرانی و پریشانی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس علم کا تعلق خلافتِ ارض سے بہت گہرا ہے۔

غرض یہ تمام قرآنی حقائق منصوص طور پر "عبارۃ النص" سے ثابت ہو رہے ہیں۔ جس کی حیثیت بقیہ تینوں نصوص میں اعلیٰ و ارفع ہے کیونکہ ان نصوص میں اگر معنوی اعتبار سے کوئی تعارض پیدا ہو جائے تو اس وقت عبارۃ النص کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے یہاں پر مغز ہی مغز ہے جو ہر اعتبار سے قابلِ حجت و استدلال ہے۔ (باقی)

مراجع و حواشی

(۱) اصول بزدوی، ص ۵، مطبوعہ کراچی۔ (۲) دیکھئے کتاب "علم اصول الفقہ" از عبد الوہاب خلاف، ص ۱۴۱-۱۴۲، مطبوعہ دار القلم کویت، سولہواں ایڈیشن، ۱۹۸۵ء۔ (۳) دستور العلماء، از عبد النبی احمد نگری، ۳/۲۰۳، مطبوعہ بیروت۔ (۴) اصول شاشی ص ۴۳، مطبوعہ کراچی۔ (۵) علم اصول الفقہ، خلاف، ص ۱۴۴۔ (۶) ایضاً ص ۱۴۴-۱۴۵۔ (۷) دیکھئے علم اصول الفقہ، از خلاف، ص ۱۴۳ (۸) اصول بزدوی، ص ۱۱، اصول سرخسی، ۱/۲۳۶، مطبوعہ کراچی۔ (۹) اصول الفقہ، از خضری بک، ص ۱۲۱، مطبوعہ مصر (۱۰) اصول الفقہ، از خضری بک، ص ۱۲۱ (۱۱) ایضاً (۱۲) اصول سرخسی: ۱/۲۴۸ (۱۳) علم اصول الفقہ، خلاف ص ۱۵۰ (۱۴) اصول سرخسی: ۱/۲۳۶ (۱۵) علم اصول الفقہ، ص ۱۴۳۔ (۱۶) بخاری کتاب الاعتصام ۸/۱۵۱، مطبوعہ استانبول (۱۷) حوالہ مذکور۔

افغانستان

از کلیم صفات اصلاحی☆

افغان ایک نہایت بہادر، جری، غیرت مند، پرجوش اور آزادی پسند قوم ہے، افغانستان اس کا قدیم ملک ہے، انہوں نے اپنی خودداری اور شجاعت کی بنا پر کبھی کسی قوم کی غلامی و محکومیت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالنا پسند نہیں کیا۔ قبائلی اور خاندانی رقابت کے باوجود وہ دوسری قوموں کے مقابلے میں متحد ہوکر ان سے برسرپیکار رہتی تھیں، گزشتہ صدی کے آغاز و اختتام میں برطانیہ اور روس نے افغانستان پر حملہ کرکے ان کو اپنا مطیع بنانا چاہا مگر دنیا کے ان دونوں عظیم اور طاقت ور ملکوں کو منہ کی کھانی پڑی، زیرنظر تحریر میں شروع سے اب تک اس قوم اور اس کے ملک کے بارے میں جو معلومات فراہم ہوسکے ہیں، انہیں پیش کیا جائے گا۔

افاغنہ کا نسب و نسل

افاغنہ کے نسب اور ان کی نسل کے متعلق تاریخوں میں بڑا اختلاف ہے، کسی نے ان کو ویونٹر اور کسی نے فرعونی قبطی قوم سے منسوب کیا، بعض مورخوں نے ارمنی بعض نے جارجین اور کاکیشن سے ان کا تعلق بتایا، بی۔ ایس گوہا (B.S.Guha) کے بیان کے مطابق افغان قبائل نسلاً ایک دوسرے سے مختلف ہیں، یہ باجوڑ کے پٹھان چترال کے کلشوں سے بہت قریبی رشتہ رکھتے ہیں (۱)، اور عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ افغان بحیرۂ روم کی لمبی کھوپڑی والی نسل کی ایرانی افغانی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں (۲)۔

نسب افاغنہ کے فاضل مصنف محمد عبدالسلام خاں نے مورخوں اور محققوں کی اس طرح کی آرا پر نقد و جرح کرکے متعدد بنیادی شہادتوں کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ افغانی قوم کا تعلق بنی اسرائیل کے گمشدہ اسباط سے ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ بنی اسرائیل کی بارہ قوموں میں دس کو گرفتار کر

☆ اسکالر دارالمصنفین، اعظم گڑھ

کرکے بخت نصر نے ملک مجوس (فارس) بھیج دیا تھا، موجودہ یہود بنی اسرائیل کی ان دو قوموں کی اولاد ہیں جو جلاوطنی سے رہ گئی تھیں، بقیہ دس منتشر قومیں دنیا کے مختلف علاقوں میں آباد ہوگئیں، اور اہل افغانستان و کشمیر انہیں دس ملک بدر قوموں کی نسل سے ہیں، جس کی متعدد شہادتیں انھوں نے نقل کی ہیں۔

۱۔ حققاً افغان کا یہ دعوی ہے کہ وہ بنی اسرائیل اور گم شدہ اسباط سے ہیں اور ان کے مشہور خاندانوں کے پاس نسب نامے موجود بھی ہیں، اس لئے ان کا دعوی قابل لحاظ ہے کیوں کہ افاغنہ کے سوا کوئی اور دوسری قوم اس کی مدعی نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ قوم بنی اسرائیل نذر کرکے فارس (ایران) بھیجی گئی تھی جو افغانستان کی سرحد پر واقع ہے، اس لئے مشرق کی طرف بڑھ کر ان کا افغانستان و کشمیر میں آباد ہوجانا بعید نہیں ہے۔

۲۔ ظاہری خط و خال سے بھی ان کے اسرائیلی ہونے کا ثبوت بہم پہنچتا ہے، کشمیریوں اور افغانیوں کی ظاہری شکل و شباہت یہودیوں (اسرائیلیوں) سے کافی مشابہ ہے، جبکہ ان کے پڑوسی چینی اور ہندوستانی بھی ہیں لیکن دونوں کی شباہتوں میں بعد المشرقین ہے۔

ان دو بڑی شہادتوں کے علاوہ ان کے گزشتہ رسم و رواج، اخلاق و عادات خصوصاً اسماء سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ نسلاً اسرائیلی ہیں، چنانچہ ان کے پہاڑوں اور دریاؤں کے نام، بزرگان بنی اسرائیل کے نام پر رکھے گئے ہیں، موسیٰ خیل، تخت سلیمان، کوہ مری، کوہ سلیمان وغیرہ، بعض مشہور محققوں کی رائیں بھی ان کے اسرائیلی ہونے کو ظاہر کرتی ہیں، مسٹر ٹامس لاہوک کے ایک مضمون سے افغانوں کے اسرائیلی ہونے کی تائید ہوتی ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہودیوں کی بعض رسوم کا اثر افغانوں پر ہے، مثلاً عید فسح وغیرہ افغانوں کے تعلیم یافتہ لوگ مناتے ہیں (۳)، ایچ، ویلو، بیلو، سی ایس، آئی لکھتا ہے کہ افغانوں کے یہاں یہ روایت ملتی ہے کہ ان کا اصل ملک شام ہے اور بخت نصر انہیں قید کرکے فارس لے آیا اور اس کے علاقوں میں آباد کیا (۴) اس نے افغانوں کے اسرائیلی اور اسباط گم شدہ میں سے ہونے کی اور بھی متعدد شہادتیں انگریزی اور فارسی مورخین کی کتابوں کے حوالے سے پیش کی ہیں جو ان کے اسرائیلی ہونے کا ناقابل انکار ثبوت ہے (۵)۔

لفظ افغان کی اصل اور اس نام سے ان کی شہرت

جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ افغان اسرائیلی النسل اور اسباط گم شدہ میں سے ہیں لیکن اس کے باوجود آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ اسرائیلی نسبت کے بجائے افاغنہ کے نام سے موسوم ہوئے، تاریخ بنی اسرائیل سے پتہ چلتا ہے کہ احکام الٰہی کی

خلاف ورزی کے نتیجہ میں جب فراعنہ نے ان کو اپنا محکوم بنایا تو حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو ان کی غلامی سے نجات دلائی اور خدا کے احکام سے آگاہ کیا لیکن پھر انہوں نے سرکشی کی اور خدا کی ہدایتوں کو پس پشت ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے آوارہ گردی و بادیہ پیمائی کو ان کا مقدر بنادیا اور وہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ تک (اور اس کے بعد بھی) آوارہ گردی کرتے رہے، علاوہ ازیں مصر، بابل اور نینوا کے شہنشاہ ان کا شیرازہ تار تار کر کے انہیں برباد اور جلاوطن کرتے رہے، اسرائیل اپنے عادات اور خصائل کی بنا پر اس قدر مطعون ہو گئے تھے کہ لوگ ان کا نام سنتے ہی ان پر ٹوٹ پڑتے اور انہیں ہر طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دینا شروع کر دیتے تھے، گویا یہ نام اس قوم کے لئے عذاب جان بن گیا تھا، لہذا اس نے غیر قوموں کی ایذا رسانیوں سے بچنے کے لئے اپنا نام تبدیل کر کے متعدد ناموں سے شہرت حاصل کی، جیسے پختون اور یہود وغیرہ (۶)۔

عربوں نے پہلی صدی ہجری میں جب حدود افغانستان میں اپنا قدم رکھا اس وقت یہ قوم (افاغنہ) کوہ سلیمان پر آباد و پناہ گزیں تھی، اس لئے انہوں نے ابتداء میں اس کو سلیمانی کے نام سے موسوم کیا، عرب مورخوں میں سب سے پہلے ابوالفدا نے (۲۵۵ھ) میں اس قوم کا ذکر افغان نام سے کیا ہے (۷) اس کے بعد یمنی نے چوتھی صدی ہجری، بیہقی اور روضۃ الصفا کے مصنف نے ساتویں اور آٹھویں ہجری اور ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامہ میں محفوظ پہاڑوں میں آباد اس قوم کا اسی نام سے ذکر کیا ہے، (۸) بعض مورخوں نے اوغان کے نام سے اس قوم کا تذکرہ کیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ افغان و اوغان دونوں ہی اس قوم کے اصلی نام نہیں ہیں، بلکہ ان کی اصل اوگان ہے، جو پہلوی زبان کا لفظ معلوم ہوتا ہے جس کی شکل عربی میں افغان ہوگئی ہے، اسی طرح اوگان سے ترکی میں اوغان ہوگیا اور تیموری اور عربی مورخوں نے اپنی اپنی زبان کے موافق حروف تبدیل کر کے افغان یا اوغان کا تلفظ اختیار کرلیا (۹)۔ ایسی صورت میں افغان اور اوغان کا اصل ماخذ اوگان معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مضمون نگار کی تحقیق یہ ہے کہ افغانوں کا ذکر سب سے پہلے راجہ مہرہ کی کتاب "برھت سمہتہ" (Barahat Samhita) میں اوگاں کے نام ملتا ہے۔ اس کے بعد چینی سیاح ہیون سانگ نے قوم اپوکین (اوگن) کے نام سے جس قوم کا ذکر کیا ہے اور جو اس زمانہ میں کوہستان سلیمان کے شمالی حصہ میں آباد تھی، وہ یہی افغان ہیں (۱۰)

لفظ "پٹھان" کا تلفظ چونکہ افغانوں کو پٹھان کہا جاتا ہے اور پٹھان سے وہی افغان مراد لئے جاتے ہیں جو افغانستان سے ہندوستان آئے ہیں، اس لئے لفظ پٹھان کی وجہ تسمیہ اور اس کے تلفظ کی ابتداء کے متعلق تحقیق و جستجو دلچسپی سے خالی نہ ہوگی، اس کے متعلق تاریخوں میں متعدد و مختلف روایتیں ملتی ہیں، جن میں بعض روایتیں بالکل بے اصل معلوم ہوتی ہیں، مثلاً یہ کہ فتح خاں یا فتحان کی بگڑی ہوئی شکل پٹھان ہے یا یہ کہ قوم افغان پٹنہ میں اقامت پذیر ہوئی تو اس کو پٹھان کے نام سے منسوب کیا گیا۔

مولانا سید ریاست علی ندوی مرحوم لکھتے ہیں:

"پٹھانوں کو افغان بھی کہا جاتا ہے اور اس سے مراد حقیقت میں یہ ہوتا ہے کہ پٹھان دراصل وہی ہیں جو افغانستان سے آئے۔ اس لئے افغان اور پٹھان دونوں ہم معنی لفظ ہیں لیکن بعض لوگوں نے دونوں میں فرق کر کے افغان سے چند مخصوص قبائل درانی وغیرہ کو مراد لیا ہے اور پشتو زبان بولنے والوں کو پٹھان سے موسوم کیا ہے ------ حقیقت میں اس قوم کو افغان کے نام سے پہلے غیر قوموں نے معنون کیا اور رفتہ رفتہ درانی اور بعض دوسرے قبائل اپنے کو افغان کہنے لگے اور افغانوں کے باقی ماندہ قبائل غلزئی، آفریدی، ہنگش، شیرانی اور استرانی وغیرہ پٹھان کہے جانے لگے، تاہم اصلیت کے اعتبار سے ان دونوں کا قدیم قومی نام "پشتان" (Pushtan) یا پکھتان (Pakthan) تھا جو مقام پشتانا (Pushtana) یا پکھتانا (Pakthana) کی طرف منسوب تھا اور یہی قدیم لفظ آگے چل کر "پٹھان" بن گیا (۱۱)۔

اس کے بعد جب ان کے بعض قبائل مشرقی سمت (قندھار) میں آکر آباد ہوئے تو دوسری قوموں کے ساتھ اختلاط کے سبب ان مہاجر افغانوں کو ان سے ممتاز کرنے کے لئے پٹھان کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس طرح یہ بات محقق طور پر سامنے آتی ہے کہ وہ افغانی جو مشرقی سمت آکر آباد ہوئے اگرچہ مغربی افغانوں سے نسلاً متحد ہیں تاہم اختلاف وطن کی وجہ سے خاص طور پر ہندوستان اور اس کی سرحد میں اس نو آباد گروہ (قبائل) کے لئے پٹھان کا لفظ مخصوص ہوگیا، ورنہ قدیم قومیت کے لحاظ سے ہر افغانی پٹھان ہے (۱۲)

ایک شبہہ کا ازالہ مغلوں سے پہلے کے سلاطین دہلی وغیرہ کو پٹھان سمجھنا غلط ہے، دراصل وہ سلاطین ترکی النسل تھے اور صحیح معنوں میں جس پٹھان خاندان نے ہندوستان کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی وہ سوریہ یعنی شیر شاہی خاندان ہے، سوریوں سے قبل لودھی خانوادوں کا زمانہ تھا، جن کا شمار

سلاطین افغان میں ہوتا ہے، جہاں تک خاص افغانوں (پٹھانوں) کی ہندوستان میں فرماں روائی کا تعلق ہے، احمد شاہ ابدالی سے قبل خود افغانستان میں کسی افغانی النسل حکمراں کا وجود نہیں ملتا (۱۳)۔

افغانستان کی حدود اربعہ اور موجودہ رقبہ و آبادی

افغانستان کا قدیم تر مفہوم صرف ''افغانوں کی سرزمین'' تھا یعنی محدود علاقہ جس میں موجودہ مملکت کے بہت سے اقطاع شامل نہ تھے، موجودہ افغانستان کا علاقہ ۲۹/درجے ۳۰ دقیقے اور ۳۸ درجے ۳۰/دقیقے طول بلد شمالی اور ۶۱/درجے اور ۷۵ ظ درجے عرض بلد مشرقی کے درمیان واقع ہے۔

افغانستان کی شمالی حد وسط ایشیا کا نشیبی علاقہ اور مشرقی حد دریائے سندھ کے میدان اور پاکستان کا شمالی مغربی سرحدی صوبہ ہے، مغرب و جنوب کی طرف نشیب میں جاتے ہوئے یہ ملک ان علاقوں سے جاملتا ہے جو سطح مرتفع کے وسط میں ہیں (۱۴) اس کے مغرب میں ایران، جنوب میں ترکستان، ازبکستان، تاجکستان اور مشرق میں پاکستان اور چین ہے، اس کا موجودہ کل رقبہ ۶۵۲۰۹۰ اسکوائر کلومیٹر (۲۵۱۷۷۰ اسکوائر میل) ہے، افغانستان کی کل آبادی ۲ کروڑ دس لاکھ ہے جس میں ۱۵% شیعہ مسلمان اور ۸۴% سنی مسلمان اور ۱% دوسرے مذاہب کے پیرو بود باش رکھتے ہیں، رہے قبائل تو ۵۲% پشتون، ۲۱% تاجک، ۱۹% ہزارہ، ۵% ازبک اور ۳% دوسرے قبائلی ہیں (۱۵)۔

اس ملک کا افغانستان نام کب پڑا؟ اس کا موجودہ انگریزی نام Islamic State of Afghanistan اور دارالسلطنت کابل ہے، (۱۶) لیکن افغانستان نام سے موسوم ہونے میں تاریخوں میں متعدد روایتیں ملتی ہیں، ایک گروہ کا خیال ہے کہ سولہویں یا سترہویں صدی عیسوی میں مغلیہ سلطنت کے زمانے میں ''افغانستان'' کا نام وضع ہوا اور اس وقت سے غیر ممالک میں اس کا یہ نام مروج ہوا ہے، (۱۷) ایک دوسری روایت یہ ہے کہ اس کا رواج خط و کتابت کی آسانی کی غرض سے ہوا لیکن یہ خیال بھی پایۂ تسلیم سے ساقط ہے، بعض محققوں کا کہنا ہے کہ افغانستان دو لفظ افغان اور ستان سے مرکب ہے اور ستان کے اضافہ کا اصول یہ ہے کہ جب کثرت اور زیادتی ظاہر کرنا مقصود ہو تو ستان کا اضافہ کیا جاتا ہے اور چونکہ افغانستان میں قوم افاغنہ کی اکثریت ہے اس لئے اس کا نام افغانستان رکھا گیا، لیکن بقول محمد عبدالسلام خان صاحب کے یہ خیال بھی درست نہیں کیوں کہ اگر افغانوں کی اکثریت دکھانا ہی مقصود ہوتا تو اس وقت ہی (جب اس ملک میں افغانوں کی اکثریت موجود تھی) اس کو

افغانستان کا نام دیا جاسکتا تھا، چنانچہ مصنف نسب افاغنہ نے مذکورہ خیال کی تغلیط کر کے لکھا ہے کہ لفظ افغانستان سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں رواج پذیر ہوا کیونکہ اس زمانے میں تو افغانوں کی ترقی خود اندرون افغانستان ہی رک گئی تھی اور وہ بیرون افغانستان منتقل و منتشر ہونے لگے تھے اور ترک و عرب اور ہندوستان کے لوگ وہاں آباد ہونے لگے آغاز اسلام میں افغانوں کی رہائش پہاڑوں کے گوشوں میں تھی مگر جب یہ قوم اسلام سے آشنا ہوئی تو پہاڑوں سے اتر کر پورے ملک اور اس کے اطراف میں پھیلنا شروع ہوئے۔ ۹۷۵ء میں جب سبکتگین نے شہر غزنی کی بنیاد رکھی تو افغانستان میں غزنی سلطنت قائم ہوئی، چنانچہ ۱۳۰۵ء کی تصنیف جامع التواریخ (۱۸) میں سب سے پہلے اس ملک کا نام افغانستان ملتا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غوری سلطنت کے زمانے میں جب پورے ملک میں افغان پھیل گئے، اور ان کی قومی سلطنت قائم ہوئی، اس وقت سے اس ملک کا نام افغانستان پڑا۔ (۱۹) موجودہ افغانستان کی حدود کی مطابقت اس وقت کے افغانستان سے جس وقت سے یہ نام رائج ہوا قطعی طور پر نہیں کی جاسکتی البتہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ موجودہ افغانستان کے اکثر علاقے غوری سلطنت میں داخل تھے۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ جو ملک افغانستان کے نام سے موسوم ہے اس کا یہ نام اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط سے شروع ہوا یعنی جب سے افغان قوم کو ایک مسلمہ سیادت حاصل ہوگئی۔ (۲۰)

راقم کے خیال میں اول الذکر قول زیادہ صحیح و مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ صحیح معنوں میں افغانستان کے غوری خا[illegible] سے ان کو افغانستان کے بیشتر علاقوں پر حکمراں بنادیا تھا اور ظاہر ہے یہ واقعہ اٹھارہویں صدی عیسوی سے بہت قبل پیش آیا تھا۔

افغانوں کا اولین معلوم وطن افغانوں کی ابتدائی نشو و نما یا ان کی قدیم آبادی غور یا کوہستان سلیمان تھا، گزیٹیر افغانستان میں ہے کہ غور افغانستان کا ایک ویران شہر ہے جو انتہائی دشوار گذار درہ میں ہے، جہاں یورپین سیاح نہیں پہنچ سکے تھے (۲۱) ۷۹۳ء میں غور کا سردار غور نے عباسی سلطنت کے قیام میں تعاون کیا تھا (۲۲) مورخ ایلفنسٹن نے لکھا ہے کہ تمام تذکرے، اس سلسلہ میں متفق اللفظ ہیں کہ افغان غور کے پہاڑوں میں بہت قدیم زمانے میں آکر آباد ہوئے اور ابتداء میں کوہ سلیمان پر قبضہ کرلیا تھا اور نویں صدی عیسوی میں جنوبی افغانستان کے پہاڑوں پر قابض تھے، (۲۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ

کے مضمون نگار نے لکھا ہے کہ بلاشبہ افغانوں کا اولین معلوم وطن کوہستان سلیمان تھا تاہم یقینی طور
نہیں کہا جاسکتا کہ افغان مغربی جانب کس حد تک آباد تھے، ابتدائی مصنفین نے بھی غزنی کے پچھم
کسی بستی کا ذکر نہیں کیا ہے، البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ غزنویوں کے دور میں افغانوں نے کسی طرح
سیاسی حیثیت حاصل نہیں کی تھی (۲۴) ۱۰۴۰ء میں مسعود غزنوی نے اپنے بیٹے ایزدیار کو غزنی سے
پہاڑی علاقوں میں باغی افغانوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا۔ (۲۵)

حالانکہ گزیٹیر میں غور میں افغانوں کی ابتدائی آبادی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ جگہ ۱۲۰ میل
جنوب مشرق ہرات کے سلیمانی ملک میں واقع ہے اور یہی افاغنہ خاندان کا مشہور مقام ہے۔ (۲۶)

ہندوستان میں افغان قوم کی آمد

ہندوستان میں افغانوں کی منفرداً آبادی کی ابتدا یا تاریخ کا تعین مشکل ہے۔ سلطان نے ناصرالدین محمود کے دور میں سے ان کی بڑی تعداد فوج میں شامل کی
۱۲۶۰ء میں جب الغ خاں نے میواتیوں کے خلاف جنگ کا منصوبہ بنایا تو تین ہزار افغانی سپاہیوں کو
ملازم رکھا (۲۷) بعد میں بلبن نے دہلی کے نواح اور جلالی، پٹیالی، بھوج پور وغیرہ میں افغانی چوکیاں
قائم کیں۔ (۲۸) خلجی اور تغلق کے عہد میں اختیارالدین یل اور ملک مخ افغانی نے اہم فوجی رول ادا کیا
(۲۹) بعد میں ملک شاہ افغان، قاضی جلال افغان اور ملک مخ افغان نے محمد بن تغلق کے خلاف بغاوت
کر کے دولت آباد میں اپنا اقتدار قائم کرلیا لیکن دکن کے حسن گنگو کے سامنے رضاکارانہ طور پر اپنے
عہدہ سے دست بردار ہوگیا اور اس کی حمایت کی (۳۰)۔

سید حکمرانوں کی ماتحتی میں ان کے اختیارات اور بڑھے اور ۱۴۱۷ء میں خضر خان نے ملک
بہرام شاہ لودی کو سرہند کا ذمہ دار مقرر کیا۔ (۳۱)

افغان قبائل کی جغرافیائی تقسیم

درانی زیادہ تر دریا کی زیریں وادیوں میں سبزوار اور زمین داور سے قندھار اور چمن کے جنوب مشرقی علاقہ تک آباد تھے، اس کی شاخوں میں بوپل زئی (بہ شمولیت
خاندان شاہی سدوزئی) اور بارک زئی ہیں، درانیوں کے بعد سب سے زیادہ طاقت ور قبیلہ غلزئی ہے، جو
قلات غلزئی سے جلال آباد تک کے کل علاقوں میں بود و باش رکھتے تھے۔ جو تک اسی کی شاخ ہیں، اب
غلزئی کی سب سے اہم شاخ سلیمان خیل ہے، پاوندہ، خانہ بدوش موسم خزاں میں گومل اور ٹوچی کے راستے
دریائے سندھ کے کنارے چلے جاتے تھے اور موسم بہار میں افغانستان واپس آجاتے تھے، خروٹی

بلوچوں کے قریب آباد تھے، کاکڑ اور ترین بلوچستان کے اضلاع پشین اور ژوب میں رہتے ہیں،
ان کے پڑوسی بیبی کے نئی ہیں اور تخت سلیمان کے آس پاس، شیرانی، وزیری دریائے گومل اور
دریائے کرم کے کوہستان علاقوں میں سرحد کے دونوں طرف مقیم ہیں، مشرقی جانب کی پہاڑیوں
میں بنی اور لوہانی، کرم زیریں کے جنوبی میدان میں مروت، خنک، کوہاٹ، کے میدان میں اٹک
تک بسے ہوئے ہیں کرم کی بالائی وادی میں ہنگش، شیعہ تورخیل اور دیگر قبائل پائے جاتے ہیں بنگش
کے شمال میں اوک زئی (بعض شیعہ خاندان) تیراہ اور خیبر و کوہاٹ کے دروں میں سرحد کے دونوں
طرف آفریدی، ان کے شمال میں شنواری آباد ہیں اور دریائے کابل کے شمال میں پشاور اور
افغانستان کے دونوں سمت وسیع علاقہ پر مہمند کا قبضہ ہے۔ مہمند کے مشرق میں علاقہ پشاور اور شمالی
پہاڑوں (بنیر، سوات، دیر وغیرہ) میں یوسف زئی اور ان کے حلیف قبائل مندان وغیرہ آباد ہیں،
وادی کنڑ اور افغانستان کے دوسرے، شمالی و مشرقی حصوں میں قبیلہ صافی کے لوگ پائے جاتے ہیں،
پشتو بولنے والے موجودہ افغان کوہستان ہندوکش کے شمال میں مختلف مقامات نیز ھرات کے علاقہ
میں آباد ہوگئے ہیں۔ (۳۲)

اسلام سے قبل افغانستان کے سیاسی حالات

دو یا ایک ہزار سال ق م افغانستان کے علاقوں میں ایرانی قبائل آباد تھے۔ جنہیں چھٹی صدی ق م نے خسرو نے ھخامنشی سلطنت میں شامل کرلیا تھا
۳۳۰ تا ۳۲۳ ق م سکندر کی فتوحات کے بعد یونانیوں اور پارتھیوں کے مابین یہ علاقے موجب نزاع
رہے، پھر ایک صدی ق م یوھے چی قوم کے قبیلہ کوشان کے زیر قیادت بعض ایرانی قبائل ان اقطاع
میں داخل ہوئے تو یہاں کوشانی سلطنت کوزولو اور کشک کے زیر اقتدار معراج کمال کو پہونچی (۳۳)
پھر چوتھی صدی عیسوی میں ساسانیوں کے شاپور ثانی نے کوشانی سلطنت پر قبضہ کرلیا ۳۵۰ء میں کاشگر
(کاشغر) میں باقی ماندہ یوھے چی قبائلیوں کو ترکی اور منگولی تاخت نے باختریہ کی طرف ڈھکیل دیا
(۳۴) شاپور اس وقت رومیوں سے مد مقابل تھا اور اس نے اگرچہ ان حملہ آوروں کا مقابلہ کیا تاہم صلح
کے بعد انہیں باختریہ اور اس کے نواح میں اس شرط کے ساتھ سکونت کی اجازت دی گئی کہ رومیوں کے
مقابلہ میں وہ ترکوں اور منگولوں کا تعاون کریں، اس معاہدہ صلح کے بعد یوھے چی فرمانروا کا دائرہ اثر
کوہستان ھندوکش (جنوب) تک بڑھ گیا اور کابل و غزنین اور پشاور تک کے علاقے اس کے زیر

اختیار آگئے، اس کے بعد جب کیدار نے آزادی کی صدا بلند کی تو غزنین کے نوآباد قبیلہ چیوتی نے شاپور کا پورا ساتھ دیا جس کے سبب کیدار کی سلطنت چھن گئی، باختر یہ پر پھر چیوتی قابض ہوگئے جو بعد میں یفتلی (ھیاطلہ) کے نام سے مشہور ہوئے اور ۴۰۰ء کے قریب ھندوکش کے شمال وجنوب کی سرزمین انہیں کے قبضہ میں تھی، کوھستان ھندوکش کے سلسلہ نے انھیں جنوبی اور شمالی دو شاخ میں تقسیم کردیا تھا یہ دونوں ریاستیں یونانی سامانیوں کی باجگذار تھیں لیکن پانچویں صدی عیسوی میں جب رومیوں اور وحشی قبائل کے مقابلہ میں ایرانیوں کی طاقت کم ہوئی۔ تو انہوں نے غلامی کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا، تاہم بہرام گور نے سرکوبی کی اور ان پر مکمل قبضہ کیا، پھر اسی صدی کے وسط میں ایرانیوں اور اور ھیاطلہ کے مابین نزاع قائم ہوئی اور ۴۸۴ء میں شاہ ھیاطلہ فیروز نے ایرانیوں پر فتح پائی اور ایک زمانہ تک ان کا اقتدار قائم رہا پھر ۵۶۰ء کے قریب مغربی ترک نمودار ہوئے تو شاہ ایران نوشیرواں اول اور مغربی ترک کی متحدہ طاقت نے ھیاطلہ (یفتلیوں) کی مرکزی سلطنت کا خاتمہ کردیا، یہ تو شمالی شاخ کا حال تھا، پانچویں صدی عیسویں کے آخر میں ھندوکش کی جنوبی جانب کی ریاست میں ایک بہادر خاندان برسر اقتدار تھا۔ اس کے دو فرمانروا تورامانا اور مے ہرے کولائے ہندوستان تک فتوحات حاصل کیں موخر الذکر جو آج مہرگل کے نام سے تاریخوں میں مشہور ہے۔ آفتاب پرست اور نہایت ظالم فرمانروا تھا، اس کی ظلم آرائیوں کا سر ہندوستان کے ایک قوی وفاق نے کچل ڈالا، اس طرح جنوبی چیونیوں کی بھی بادشاہی ختم ہوگئی اور ھیاطلہ مکمل طور پر ختم ہوگئے، ان کی تاراجی کے بعد یہ علاقے چھوٹے چھوٹے امرا کے قبضے میں تھے اور یہ ایران وترک بادشاہوں کے باجگذار تھے، ساتویں صدی کے وسط میں ہیون سانگ میں افغان قوم کا ذکر ہے، جو کوہ سلیمان کے شمالی اقطاع میں آباد تھی، ہیون کی سیاحت کے کچھ دنوں بعد شاہِ تیانگ نے وہاں سے ترکوں کا خاتمہ کیا، تقریباً سو سال (۶۵۹ سے ۷۵۱ تک) ہندوکش کے شمال میں چینی بالادستی قائم رہی، چنانچہ جب عربوں نے ایران کی سلطنت سر کی تو افغانستان کے چھوٹے چھوٹے فرماں رواؤں کی طرف سے بھی مزاحمتوں کا سامنا رہا اور نویں صدی عیسوی کے آخر میں مسلمانوں نے ہندوکش کے جنوبی حصے کو رام کیا (۳۴)۔

اسلام سے قبل قوم افاغنہ کی مذہبی حالت

افغانستان میں بدھ مذہب اور زردشتی مذہب

کے آثار قدیمہ کابل اور بلخ میں دستیاب ہوئے ہیں تاہم افغان قوم کے متعلق اس امر کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا کہ اس کا تعلق کسی مذہب سے رہا ہو البتہ خود افغانوں کا یہ بیان قابل لحاظ ہے کہ وہ موسوی شریعت کے پابند تھے، ان کے بعض مراسم مذہبی سے بھی اس دعوی کی تائید ہوتی ہے، یہ صحیح ہے کہ بدھ مت اور آتش پرستی کے متعدد آثار بلخ اور کابل میں ہیں تاہم افغانستان کے جنوب و مغرب میں جو افغان قوم کا اصل مرکز ہے وہ ان مذاہب کے آثار ونشانات کی نشانیوں سے خالی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ افغانوں پر نہ ان دونوں مذاہب کے اثرات مرتب ہوئے (۳۵) اور نہ انہوں نے کبھی (اسلام سے قبل) اپنے آبائی دین کے سوا کسی اور مذہب کو اپنایا۔

افغانوں کے دوسرے مذاہب کے نہ قبول کرنے کی شہادتیں

تاریخوں میں مذکور ہے کہ زردشت اپنے مذہب کے نشر واشاعت کے سلسلہ میں سیستان کے پاس پرشت نام کے ایک سردار کے یہاں گیا جو افغانستان و بلوچستان کی سرحد پر واقع ہے، تو پرشت نے اس سے آب حیات مانگا، زردشت نے اس کے سامنے تین باتیں رکھیں کہ حق کی تعریف کرو، شیطان پر لعنت بھیجو اور علی الاعلان میرا مذہب اختیار کرو، تو پرشت نے کہا پہلی دو ہدایتوں پر عمل کرسکتا ہوں لیکن تمہارا مذہب قبول نہ کروں گا (۳۶) مگر سردار کا عبرانی النسل ہونا محل نظر ہے۔

البتہ بعض تذکروں سے ثابت ہوتا ہے کہ افغانوں کے پڑوس میں زردشتی مذہب شائع و ذائع ہو چکا تھا (۳۷) تاہم اس سے افغانوں کی قبولیت مذہب آتش پرستی کا ثبوت تو ہم نہیں پہونچتا۔

اس بات کی شہادتیں تاریخوں میں ملتی ہیں کہ افغانوں کے قبضہ میں عبرانی زبان کی توریت اور موسوی مذہب کی ادعیہ تھیں اور یہی ان کے قدیم مذہب کی نشانیاں ہیں۔

افغانوں کے متعلق یہ واقعہ درجہ استناد کو پہونچا ہوا ہے کہ نادر شاہ جب ہندوستان کی تسخیر کے ارادہ سے پشاور میں داخل ہوا تو اس زمانے میں یوسف زئی سرداروں نے اس کے سامنے بہت سے مکتوبات ادعیہ اور کتاب مقدس کا عبرانی زبان میں نسخہ ہدیۃً پیش کیا جنھیں افغانوں نے بڑی عزت واحترام سے سنبھال کر رکھا تھا اور اس کے ساتھ کے تمام پادریوں نے ان مکتوبات کو دین عیسوی کے مطابق تسلیم کیا (۳۸)۔

افغانوں کے غیر مذہب کی عدم قبولیت کے متعلق محمد عبدالسلام صاحب لکھتے ہیں کہ مورخوں

اور سیاحوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ افغان یہود کے مراسم کے علاوہ کسی اور مذہب کے پابند نہیں تھے، ان کے پاس کتب ادعیہ موسوی بھی تھیں جن کا جاہل ہونے کے باوجود وہ حد درجہ احترام کرتے تھے، ان تمام شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ افغان شریعت موسوی کے پابند تھے (۳۹)۔

افغانوں کا حلقہ بگوش اسلام ہونا

ساتویں صدی عیسوی میں جب آفتاب اسلام روم، فارس میں ضیا پاشی کر رہا تھا اس وقت افغانستان دو مذہبوں اور دو ریاستوں کے زیر اثر تھا، اس کے مغربی حصے بجستان، ہرات اور ان کے ملحقات پر ایرانی ساسانیوں کا سیاسی، ادبی اور مذہبی اقتدار قائم تھا اور یہ لوگ زردشتی مذہب کے پیرو تھے، اور مشرقی حصے میں کابل سے قندھار تک بدھ اور برہمنی مذہب رائج تھے، ۶۵۷ء میں گندھارا (قندھار)، لمپا (لغما) نگرھارا (ننگرھار) پر آریائی کشتری خانوادوں کی حکومت تھی۔ ان کشتری سلاطین کا دائرہ اقتدار ٹیکسلا موجودہ ہنڈ (علاقہ صوابی) یعنی دریائے اٹک کے مغربی کنارے سے کابل، رخ، بست اور سیستان تک دراز تھا۔ اس کے علاوہ بعض ھیاطلی (یفتلی) سردار پہاڑی دروں پر قابض تھے، لیکن عربوں کا مقابلہ رایان کابلی برہمن شاہوں نے کیا جنہیں مقامی بادشاہوں کی آخری کڑی کہہ سکتے ہیں، یہ خاندان یہاں اسلام سے ۴۲۱ھ تک موجود رہا چنانچہ جب مسلمانوں نے افغانستان کے مشرقی حصوں پر اسلام کا پرچم لہرایا تو اس وقت اس کا دارالحکومت گردیز اور کابل سے روہنڈ (وہنڈ) منتقل ہو گیا، ظہور اسلام کے وقت سلطنت افغانستان قبائلی سرداروں میں منقسم تھی اور یہاں پشتو، پہلوی، مغولی نیز سنسکرت کے بھجن اور پراکرتیں رائج تھیں اور مشرق میں بدھ مت و برہمن مت اور شیو دھرم کے ماننے والے اور مغرب میں آتش پرست تھے، مختصر یہ کہ اس زمانہ میں سرزمین افغانستان یونانی، ہندی، مغل اور ایرانی اقتدار کے ایک مخلوط تمدن سے آشنا تھی۔ تاہم قومِ افاغنہ جو کوہستان سلیمان، ہندوکش و غور کے پہاڑوں میں آباد تھی ان مذہبوں اور تہذیبوں سے خاطر خواہ یا قابل ذکر اثر پذیری سے محروم تھی۔

قیسیوں کا قبول اسلام

ظہور اسلام کے وقت افغانوں کے دو بڑے قبائل قیسی اور غوری تھے، قیسی گروہ میں افغانستان کی تقریباً پوری قوم افاغنہ داخل ہے،، رانی، غلزئی اور یوسف زئی وغیرہ تمام قبائل اسی زمرے میں آتے ہیں۔ قیسی اور غوری قبائل کی قبولیت اسلام میں مورخین کے مابین اختلاف ہے، بعض کے نزدیک دونوں قبائل ایک ہی وقت میں مسلمان ہوئے اور بعض نے دونوں کے مختلف

اوقات میں اسلام لانے کا ذکر کیا ہے۔

قیسیوں کی اپنی روایت کے بہ موجب وہ آغاز اسلام یعنی حضور ﷺ کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، افغانوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ ان کے مشترک مورث اعلیٰ عبدالرشید نے جو شاہ طالوت یا ساؤل کے ایک پوتے افغانہ کی نسل سے تھے، حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ پر بیعت کی تھی (۴۰) سرجان مالکم نے ان کے اسلام کے متعلق جو حالات تحریر کئے ہیں ان سے بھی اوائل اسلام ہی میں مسلمان ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اس کا خلاصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

یہودانِ عرب اور افغانوں میں جب مراسلات کا سلسلہ شروع ہوا تو انہیں معلوم ہوا کہ عرب کے یہودیوں نے مذہب اسلام قبول کرلیا ہے، اسی زمانے میں خالد نام کے ایک شخص نے افغانوں کو بھی خط لکھ کر اس دین کی دعوت دی تو جو بعض افغان امراء عرب گئے ان میں ایک کا نام قیس تھا، قیس کا شجرۂ نسب ۴۷ ویں واسطے سے اسباط اور ۵۵ ویں واسطہ سے حضرت ابراہیمؑ سے ملتا ہے۔ خالد ان کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے گئے، آپ نے ان کے ساتھ نہایت لطف و کرم کا معاملہ کیا اور ان کا نام عبدالرشید رکھا اور ملک بوئے ارزانی کے لقب سے ملقب کیا۔۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد قیس اپنے ملک واپس چلے آئے اور پیغمبرؐ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی (۴۱)۔

ملا محمد عبدالسلام صاحب کی بھی یہی رائے ہے کہ قیس قبیلہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ ہی میں مذہب اسلام سے وابستہ ہو چکا تھا، لکھتے ہیں کہ ۷ھ میں حضور اکرم ﷺ نے سلاطین کے نام دعوت اسلامی کے خطوط بھیجے اور بالخصوص شاہ ایران کو اسی سال خط لکھا جیسا کہ اس قوم کی روایت ہے کہ ہم کو گروہ بنی اسرائیل (یہودانِ عرب) سے اسلام کی اطلاع ملی تھی غرض یہ کہ امرائے افغان مدینہ جا کر مسلمان ہوئے (۴۲) آگے مخزن افغانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ۹ھ میں قیس عبدالرشید مسلمان ہوئے۔

غوریوں کا قبول اسلام

اہل غور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت میں مسلمان ہوئے، طبقات ناصری کے مصنف نے لکھا ہے کہ غوریوں کا سردار شنسب حضرت علیؓ کے ہاتھ پر ان کے دور حکومت میں مشرف بہ اسلام ہوا۔ لیکن مصنف نسب افاغنہ نے نسب حیاتِ افغانی کے حوالہ سے لکھا ہے، غوری و قیسی دونوں قبیلے ایک ساتھ اسلام لائے اور چونکہ قیسی قبیلہ کا بالاتفاق آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہونا ثابت ہے اس لئے ممکن ہے کہ غوری قبیلہ بھی حضرت محمد ﷺ کے سامنے اسلام لایا

ہو کیوں کہ آخوں درویزہ کی روایت کے مطابق افغانوں کے ۷۰ سرداروں نے یک لخت مدینے جاکر آنحضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد اپنے اپنے الوس میں تمام سرداروں نے اشاعت اسلام کی کوششیں کیں (۴۴)۔

عہد فاروقی

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے ایران کی قدیم شہنشاہیت کا خاتمہ کیا تو وہاں کے فرماں روا یزدگرد نے جلولا اور نہاوند کی لڑائیوں میں شکست کھانے کے بعد خراسان اور بلخ کا رخ کیا لیکن وہاں بھی اس کو مدد نہ ملی تو افغانستان کے غربی حصوں اور غور کے حاکم ماہوی سوری نے اس کو مرو میں پناہ دی (۴۵) لیکن چونکہ اس سے قبل ماوراء النہر کے حکمرانوں کے ساتھ یزدگرد کے تعلقات اچھے تھے، اس لئے ماہوی سوری کو اندیشہ تھا کہ کہیں یزدگرد ان سے دوبارہ مل کر اس کے اقتدار پر قبضہ نہ کر لے۔ اس لئے ۳۱ھ میں ایک پن چکی والے کے ہاتھ اس کو قتل کرا ڈالا (۴۶) اور اپنی حکومت کا دائرہ بلخ، ہرات اور بخارا تک وسیع کر لیا۔ لیکن احنف نے ماہوی کو بھی خراسان اور مرو میں شکست دے کر دریائے جیحون کے پار کے علاقے تک اس کو پیچھے ڈھکیل دیا اور آخر عمر تک خراسان کا عامل رہا۔ ادھر جنوب میں عبداللہ بن بدل خزاعی نے طبسین (قلعۂ طبسین اور قلعہ کرین) جو افغانستان کی موجودہ مغربی سرحد یعنی گرم سیر سے متصل ہے تک اپنا سایہ اثر دراز کر لیا (۴۷)۔

افغانوں کی عربوں کی مہموں میں شرکت کا آغاز

ایلفنسٹن ۴۴، ۶۲ اور ۸۰ ہجری کے واقعات کے ذکر میں رقم طراز ہے کہ اس وقت افغان قوم مسلمان ہو چکی تھی اور ان کی اپنی روایت کے مطابق وہ آنحضرت ﷺ کے زمانے ہی میں عقیدۂ اسلام سے وابستہ ہو چکے تھے اور ۶۳ھ میں ہندوستان پر حملہ کا آغاز بھی کر دیا تھا، اس کے بعد لاہور کے راجہ اور افغانوں کے مابین جنگیں بھی ہوئیں جن میں افغانوں نے ککروں سے ہاتھ ملا لیا تو راجہ نے بااین شرط حصہ ملک دینے پر آمادگی ظاہر کی کہ وہ غیروں کے حملہ کے وقت اس کا ساتھ دیں گے، چنانچہ افغانوں کی مصالحت کی وجہ سے شمالی ہندوستان پر خاندان سامانیہ کے حملہ کی ہمت نہ ہو سکی (۴۸)۔ یہ بات بھی تاریخوں میں ملتی ہے کہ دوسری صدی ہجری میں افغانوں نے سندھ سے ہٹائے گئے عربوں کو پناہ دی تھی (۴۹)۔ مورخ خورشید جہاں اپنی تاریخ میں عربوں کی مہموں میں افغانوں کی شرکت کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

"در سن شست و شش سال ہجری در عہد سلطنت ولید مذکور چوں حجاج بن یوسف

ثقفی سپہ سالار افواج ولید حسب الحکم بادشاہ خواہر زادہ خود عماد الدین محمد قاسم را امیر افواج نصرت امواج اسلام ساختہ بہ تسخیر ولایات سیستان و سندھ و ملتان مامور گشت و بہ سرحد جبال غورستان رسید طائفہ افغان را کہ ہنگام محاربہ افواج بنی امیہ با سوریان غور نیز مطیع و منقاد ماندہ بودند ہمراہ خود گرفتہ و لشکر ایں طائفہ حریہ پشتوان فوج اسلام مقرر نمودہ و سرداران ایشاں را درکار داشتہ بتوجہ تسخیر سیستان و بلوچستان و بعد محاربات شدیدہ و راجہ سیستان را بقتل رسانیدہ و ولایت سیستان را فتح نمودہ امیر لشکر در سیستان اقامت کردہ و افواج عرب و افاغنہ را بر فتح بلاد اطراف و جوانب آں ولایت مامور فرمودہ اکثر ممالک بلوچستان و سندھ و ملتان مفتوحہ ساختہ و بعضے از متمردان آں ولایت مقتول شدہ و اکثرے مشرف بہ شرف اسلام گشتند و از فتوحات ایں ولایت غنیمت بے شمار بدست افغاناں و دیگر غازیاں در آمدہ۔ (۵۰)

ترجمہ: ولید کے دور حکومت ۶۶ھ میں جب حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے بھانجہ عماد الدین محمد قاسم کو ولایت سیستان و سندھ و ملتان کی تسخیر پر مامور کیا تو افواج بنی امیہ کی اس مہم میں جبال غورستان کی سرحد پر سوریان غور کے ساتھ افاغنہ کی ایک جماعت بھی مطیع و ہمراہ ہوئی اور اس (محمد قاسم) نے اس بہادر لشکر پشتوان کو اسلامی فوج میں شامل کر لیا اور سیستان اور بلوچستان کے تسخیر کے سلسلہ میں ان کے سرداروں سے کام لیا، شدید جنگ کے بعد شاہ سیستان مقتول ہوا اور سیستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ امیر لشکر نے وہیں اقامت اختیار کی اور عرب و افاغنہ کی افواج کو سیستان کے اطراف و جوانب کی فتح پر مامور کیا، چنانچہ بلوچستان و سندھ و ملتان کے اکثر ممالک مغلوب ہوئے۔ بعض سرکش (سردار) تہ تیغ ہوئے اور اکثر اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے، ان فتوحات سے افاغنہ اور غازیان اسلام کو بے شمار دولت و مال غنیمت حاصل ہوئے۔"

ان حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ افغانوں نے مسلمان ہونے کے بعد ہی سے عربوں کی مہموں میں شرکت شروع کر دی تھی۔

عہد عثمانی

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلام کی فتوحات کو مزید وسعت حاصل ہوئی، عبداللہ ابن عامر اس زمانہ میں بصرہ کے گورنر تھے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کو عہدۂ امارت سے سرفراز کیا اور ۳۲ھ میں جب ابن عامر نے دوبارہ بجستان و کابل پر تاخت کا منصوبہ بنایا تو عبدالرحمٰن کو بجستان بھیجا، انہوں نے زرنج کی طرف پیش قدمی کی، اہل زرنج عید منا رہے تھے، عبدالرحمٰن نے روز عید ہی مرزبان زرنج کا محاصرہ کر لیا، اس نے بیس لاکھ درہم اور دو ہزار لونڈی پر صلح کر لی (۵۱) ابن اثیر کا بیان

ہے کہ اس کے بعد کابل وزابلستان (ولایت غزنہ) کو فتح کرکے زرنج واپس آکر وہیں اقامت اختیار کی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے واقعہ سے پریشان ہوکر وہ امیر بن احمر یشکری کو اپنا جانشین مقرر کرکے بصرہ واپس آگئے لیکن اہل سیستان نے بغاوت کردی، اور امیر بن احمر یشکری کو وہاں سے نکال دیا (۵۲) چنانچہ سابقہ تجربے کی بنا پر ابن عامر نے عبدالرحمٰن کو دوبارہ باغی علاقوں کی تادیب کے لئے بجستان کی ولایت سونپ دی، باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے یہ کابل تک پہنچ کر اس کا احاطہ اور سنگ باری کرکے شہر پناہ کی دیواریں مسمار کردیں اور عباد بن حصین کو پوری رات پہرے پر مامور کیا، کابلیوں نے صبح کو میدان میں نکل کر مقابلہ کیا مگر مغلوب ہوئے، مسلمانوں کے شہر میں داخل ہونے کی وجہ یعقوبی نے یہ بتائی ہے کہ بواب (شہر پناہ کے دربان) نے رشوت لے کر دروازہ کھول دیا تھا (۵۴)۔

کابل کی مہم سر کرنے کے بعد عبدالرحمٰن نے خواش اور زان بست پھر بلا جنگ رزاں کو زیر نگیں کیا، رزان پر قبضہ کے بعد خشک والوں نے صلح کرلی، اس کے بعد رخج سخت مقابلہ کے بعد مطیع ہوا، پھر غزنہ پہونچے، باغی غزنویوں نے پرزور مقابلہ کے بعد شکست کھائی، ادھر میدان خالی پاکر کابلیوں نے پھر بغاوت برپا کردی تو عبدالرحمٰن نے پھر غزنہ کی طرف توجہ کی اور انہیں مطیع کرکے بجستان وغزنہ کا پورا علاقہ اور کابل کو زیر نگیں کیا (۵۵)۔

عہد مرتضوی

۳۶ھ میں حضرت علیؓ نے عبدالرحمٰن بن جرد الطائی کو سیستان کا حاکم مقرر کیا لیکن حسکہ بن تواب کے ہاتھوں شہید ہوئے تو عبداللہ بن عباس حاکم بصرہ نے ربعی بن کاس عنبری کے ذریعہ ابن عتاب کا کام تمام کرایا اور سیستان پر ربعی کا قبضہ ہوگیا۔ پھر ۳۸ھ میں اسلامی لشکر سیستان سے نکل کر موجودہ قلات کی طرف بڑھ گیا جہاں بیس ہزار افغانیوں نے پرزور مدافعت کی اور خوں ریز جنگ اور طویل محاصرہ کے بعد کچھ گرفتار ہوئے اور کچھ منتشر ہوگئے۔

اموی عہد

حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت ۴۰ھ میں قیس ابن الہیثم نے بادغیس اور ہرات سے جنوب مغرب میں قوشنج کو فتح کرکے بلخ کی طرف توجہ کی۔ ۴۵ھ میں عبداللہ بن خازم بلخ، امیر بن احمد مرو، قیس بن ہیثم، طالقان، فاریاب اور مرو الروز میں عہدۂ امارت پر مامور تھے، ۵۱ھ میں ربیع بن زیاد حارثی نے دریائے آمو کے پاس پچاس ہزار عربوں کو بسایا۔ یزید کی وفات کے بعد لوگوں نے جب حاکم خراسان کے خلاف بغاوت کی تو سلیمان بن یزید کو مرو، طالقان اور گوزگان کی امارت سپرد کی گئی۔ ۷۹ھ میں حجاج نے خراسان کو مہلب کے حوالہ کردیا۔ ۸۶ھ میں عبدالملک نے قتیبہ بن مسلم کو حجاج کی سفارش پر خراسان کا حاکم بنایا تو قتیبہ نے بلخ، طالقان اور طخارستان کو زیر نگین کیا (۵۶) یہ تو شمالی افغانستان کا حال تھا۔ جنوبی افغانستان یعنی کابل، غزنہ، بست وغیرہ کا حال سطور بالا میں مجملاً گزر

چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اموی وعباسی عہد میں افغانستان کی سیاسی تقسیم

اموی سلطنت کے دور میں افغانستان کی سیاسی تقسیم اس طرح تھی کہ خراسان وماوراء النہر سے کابل، پنجاب اور سندھ تک کا تمام مفتوحہ علاقہ ولایت عراق عجم میں شامل تھا جس کے والی کی طرف سے دو گورنر مقرر کئے جاتے تھے، ایک حاکم خراسان جس کا صدر مقام مرو تھا، دوسرا حاکم کابل جس کے ذمہ سندھ و پنجاب کا نظم ونسق تھا، لیکن عہد عباسیہ میں جب افغانستان میں اسلامی فتوحات کو مزید وسعت حاصل ہوئی تو سلطنت کی تقسیم یوں ہوگئی۔

۱۔ ولایت خراسان نیشاپور اور ہرات سے بلخ اور موجودہ قطغن کے علاقوں پر مشتمل تھی،
۲۔ ولایت سیستان کا دائرہ کابل تک وسیع تھا، ۳۔ ولایت توران ومکران حدود سندھ تک دراز تھی۔ ان ولایتوں میں دفتری دفاعی نظام قائم تھا (۵۷)۔

حکومت عباسیہ کے قیام میں افغانستان کے سوری خاندان کا حصہ

۱۲۶ھ میں محمد بن علی کی وفات کے بعد ان کے لڑکے ابراہیم جانشین ہوئے، باپ بیٹے دونوں کے زمانہ میں عباسی دعوت کا سلسلہ خفیہ طور پر قائم وجاری رہا، لیکن راز فاش ہونے کے بعد بنی امیہ نے ان کو گرفتار کرکے قید کردیا، ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن علی نے بیڑا اٹھایا تو عباسیوں کے حوصلے بلند ہوئے اور عباسی اس قدر طاقت ور ہوگئے کہ علانیہ بنی امیہ کے بالمقابل آگئے، چنانچہ ابراہیم کی گرفتاری کے بعد ۱۲۹ھ میں ابوالعباس کی امامت کی بیعت ہوئی تاہم ابراہیم کی جانشینی ان کے حامیوں تک محدود تھی ۱۳۲ھ میں عراق پر عباسیوں کے قبضہ کے بعد خلافت کی بیعت ہوئی اور مروان کے قتل کے بعد ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں ابوالعباس عالم اسلامی کا خلیفہ تسلیم کیا گیا اور خلیفہ کی حیثیت سے اس نے پہلا خطبہ دیا (۵۸)۔

خراسان کے ایک مقتدر شخص ابومسلم کا خلافت عباسیہ کی توسیع میں بڑا حصہ ہے، اس نے شہر انبار سے عباسی تحریک کی ابتدا کی اور کوفہ جاکر ابراہیم سے ملاقات کرکے لوگوں کو آل عباس کی حمایت پر ابھارا اور مرو سے طخارستان کے باشندوں کے تعاون وحمایت سے خلافت بنی عباس کا اعلان کردیا، چنانچہ ابراہیم کی ہلاکت کے بعد جب سفاح پر مروان نے عرصۂ حیات تنگ کیا تو ابومسلم خراسان سے لشکر لے کر روانہ ہوا، کوفہ کی مسجد میں سفاح کے نام کا خطبہ پڑھا اور سلطنت بنی امیہ کے خاتمہ کا اعلان کردیا، خلافت عباسیہ کے قیام کے بعد ابومسلم حج کے لئے روانہ ہوئے اور اسی سال ۱۳ر ذی الحجہ میں سفاح سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔ (۵۹)

خلافت عباسیہ کے قیام میں ابومسلم خراسانی کا ساتھ افغانستان کے جن بااثر خاندانوں نے

دیا، ان میں غور کا سوری خاندان ہے، بنی امیہ کے آخری ایام میں شنسب بن خرنک غورستان کے پہاڑوں میں حکمراں تھا۔ اس کے بیٹے نے مہمات خراسان میں ابومسلم کا ساتھ دیا، ۱۸۲ھ میں حمزہ بن عبداللہ نے حاکم سیستان کو نکال کر زرنج پر قبضہ کرلیا اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے ہرات اور قوشنج تک بڑھتا چلا گیا، لیکن پھر عیسی کے ہاتھوں سیستان میں شکست کھائی۔ ۱۹۳ھ میں ہارون الرشید خود خراسان آیا تو حمزہ تیس ہزار کا لشکر لے کر نیشاپور کی طرف بڑھا، لیکن ہارون کی وفات کی وجہ سے لڑے بغیر واپس ہوگیا۔ پھر بلوچستان اور سندھ پر حملہ کیا۔ ۱۹۹ھ میں واپس ہوا، ۲۱۳ھ میں مارا گیا (۶۰)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت عباسیہ کے قیام میں افغانستان کے سوری خاندان نے عباسیوں کی مکمل پشت پناہی کی تھی۔

اموی وعباسی عہد میں افغانستان کے تمدنی حالات

ہجرت کی پہلی دو صدیوں میں افغانستان میں بدھ مذہب زردشت اور برہمن مت کی جگہ مذہب اسلام کا بول بالا اور پورے ملک میں عربی زبان اور رسم الخط کا رواج ہو چکا تھا، لیکن مشرقی علاقوں میں سنسکرت یعنی سردا اور ناگری مخلوط رسم الخط کا تقریباً ڈھائی سو سال تک رواج باقی رہا، خراسان، ہرات اور سیستان میں پہلوی زبان کی جگہ دری، فارسی زبان نے لے لی اور تفسیر، حدیث، رجال اور سیرت وغیرہ جیسے اسلامی علوم کی افغانستان میں خوب نشوونما ہوئی اور سیستان زرنج، بلخ، مرو اور ہرات وغیرہ میں بڑے بڑے اسلامی مراکز و مدارس قائم ہوئے، جن سے بہت قد آور بزرگانِ دین پیدا ہوئے، ابوحنیفہ بن ثابت بن زوطی کابلی، ابن المبارک مروزی، محمد بن کرام سیستانی، ابراہیم بن طہمان باشانی (ہراتی)، ابواسحق بن یعقوب جوزجانی (محدث) ابراہیم ادہم بلخی وغیرہ کے نام تاریخ کی کتابوں میں درخشاں ستاروں کے مانند روشن ہیں، افغانستان میں عربوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو وہاں کے اہم شہروں میں عرب فاتحین کی کثیر تعداد آباد ہوئی، چونکہ برامکہ نے عباسیوں کے دربار میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کیا اور ان ہی کے ذریعہ ایرانی تمدن اور عجمی آداب معاشرت عباسی خلفاء میں منتقل ہوئے اور اس طرح افغانستان نے بھی اس کے اثرات قبول کئے اور وہاں کی سرزمین ایک مخلوط نسل و مخلوط تہذیب سے آشنا ہوئی اور عربی رسم و رواج اور علوم و آداب کو فروغ ہوا، اس ملک میں عربوں کی عام آبادی سے قطع نظر عرب افواج کی ایک قابل ذکر تعداد موجود تھی۔ ابن اثیر میں ہے کہ عہد اموی میں صرف قتیبہ کے زیر قیادت نو ہزار بکری، دس ہزار ازدی، دس ہزار تمیمی، چار ہزار عبد قیسی اور سات ہزار کوفی کل سینتالیس ہزار خالص عربی النسل سپاہی موجود تھے (۶۱)۔

اموی و عباسی دور میں ملتان، دیبل منصور، ویہنڈ، الور (روڑ)، قندابیل (گنداوی)، قزدار، کشمیر سے دریائے مہران (سندھ) کے دہانے تک وادی سندھ اور توران (بلوچستان کا ایک حصہ)

کے آباد اور بارونق شہروں اور تجارتی مرکزوں سے ہندوستانی مصنوعات خراسان، سیستان اور ہرات کے راستے ایران، عراق اور شام کے شہروں میں لائی جاتی تھیں، تاریخ تجارت اموی میں ہے کہ اس زمانے میں تجارت وسیع پیمانہ پر رائج تھی، چنانچہ افغانستان کے راستے عربی ممالک کے مغربی حصوں میں ہندوستانی برتن، خراسانی لوہا، رنگین کشمیری کپڑے، چینی عود، مشک اور دارچینی، نخ کے ملبوسات، ناریل، لونگ وغیرہ نیز ہندی اور سندھی ہاتھی پہنچائے جاتے تھے (۶۲) اس کے علاوہ ابوزید سیرانی نے بھی ہندوستان وخراسان کے درمیان تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کا تذکرہ کیا ہے اور ان قافلوں کا راستہ زابلستان وقندھار کو بتایا ہے (۶۳) بلہاری ایک ہندوستانی تجارتی مرکز تھا جہاں ہندوستانی اور خراسانی تاجر آباد تھے اور اس میں مشک بہت ہوتی ہے، (۶۴) سلطنت عباسیہ میں خراسان وسیستان میں بڑے بڑے تجارتی مراکز موجود تھے اور زراعت وصنعت وحرفت کو بھی بڑا فروغ حاصل تھا، جس کا ثبوت اس سرزمین سے وصول ہونے والی محاصل کی کثیر مقدار ہے۔ ۲ر کروڑ ۸۰ لاکھ درہم، دو ہزار روپے (فضہ) نقرہ، ۴ ہزار لدو جانور، ایک ہزار غلام، ۲۷ ہزار ملبوسات، ۳۰۰ رطل ہلیلہ، بجستان سے ۴۶ر لاکھ درہم، ۳۰۰ ملبوسات، ۲۰ ہزار رطل شکر سفید، مکران سے ۴ر لاکھ درہم خراج حاصل ہوتا تھا (۶۵)، قدامہ بن جعفر کی تصریح کے مطابق سلطنت عباسیہ ہی کے محاصل خراسان سے ۳ کروڑ ۸۰ر لاکھ درہم، بجستان سے دس لاکھ درہم، توران ومکران سے ۱۰ر لاکھ درہم وصول ہوتے تھے (۶۶)۔

اموی وعباسی دور میں خراسان میں گذرگاہ سندھ تک غیر اسلامی سلطنتوں کے سکے بھی رائج تھے اور بسا اوقات پنجاب، گندھارا اور باختر کے بدھ اور ہندو فرماں رواؤں کے سکے خلیفہ اور کلمہ طیبہ سے منقش وآراستہ ہوتے تھے اور خراسانی بادشاہ اپنے اور خلیفہ وقت کے نام کے نقرئی سکے کوفی رسم الخط میں جاری کرتا تھا، پھر بعد میں غزنوی دور حکومت میں سنسکرت رسم الخط میں بھی سکے مضروب و رواج پذیر ہوئے (۶۷)۔

افغانوں کی قومی مملکت کے قیام سے پہلے کا اسلامی دور

اسلامی عہد میں آلِ طاہر کا زمانہ ۲۰۵ تا ۲۵۹ھ ہے، اسی زمانے میں مغربی ہرات کے علاقہ زندہ جان میں طاہریوں کا ایک خاندان آباد تھا، عہد عباسی میں اس خاندان کا ایک فرد مصعب بن زریق بن ماہان علاقہ زندہ جان کا فرماں روا ہوا جو مشاہیر ادب وبلاغت میں شمار کیا جاتا تھا، اس کا بیٹا حسین، عباسی حکومت کی طرف سے شام وبغداد کا حاکم مقرر ہوا، ۱۸۰ھ میں قوشنج موجودہ زندہ جان کا حکمراں تھا، ہارون رشید کی وفات کے بعد جب امین ومامون میں اختلاف پیدا ہوا تو حسین کے بیٹے طاہر نے مامون کا ساتھ دیا (۶۸) چنانچہ بعد میں جب اس کی شجاعت وبہادری کے جوہر مزید کھلے تو مامون نے طاہر کی خدمات کے عوض

اسے جلیل القدر عہدوں پر فائز کیا اور ذوالیمینین کے لقب سے ملقب کیا، مامون کے التفات خاص اور
صلہ گستری کے سبب اس کے حوصلے مزید بڑھے تو اس نے ہرات، سیستان، جوز جان، نیشاپور، مرو اور
طخارستان پر قبضہ کر کے ۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۲۰۷ھ کو اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، اس کے انتقال کے
بعد طلحہ بن طاہر (م ۲۱۳ھ) عبداللہ بن طاہر (۲۳۰ھ)، محمد بن طاہر (۲۵۹ھ) وغیرہ آل طاہر نے
خراسان پر حکومت کی (۶۹) طاہریوں کا اثر و رسوخ مغربی و شمالی افغانستان تک محدود تھا، اس وقت
جنوبی و مشرقی افغانستان میں کابل پر شاہی ہندو حکمراں تھے (۷۰)۔

شاہ کابل کی اطاعت

علاقہ کابل یوں تو بنی امیہ کے دور حکومت بلکہ خلافت راشدہ کے
زمانہ میں اسلامی حکومت کا باجگذار ہو چکا تھا، لیکن ایران و عراق کی طرح ابھی اسلامی مملکت کی
حیثیت نہیں ہوئی تھی، ماموئی عہد میں اندرونی خلفشار اور بغاوتوں کے باوجود اسلامی فتوحات کا
دائرہ وسیع ہوا اور مختلف سنین میں یہ فتوحات ہوتی رہیں، مامون کا زیادہ وقت نظام مملکت کی اصلاح
میں صرف ہوا تاہم اس کا یہ کارنامہ اس کی اعلیٰ سیاسی بصیرت کی نشاندہی کرتا ہے کہ ٹھیک شورش بغداد
کے زمانہ میں اس کی فوجیں کوہستان کابل کی مہم سر کرنے میں مصروف تھیں اور بالآخر شورش ہی کے
زمانہ میں شاہ کابل نے اطاعت قبول کی اور حلقہ بگوش اسلام ہوا اور بطور پیش کش شاہی تاج مامون کی
خدمت میں بھیجا (۷۱)۔

طاہریوں کا خاتمہ اور صفاریوں کا عروج

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے کہ طاہر
نے بعد میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے جمعہ کے خطبہ میں خلیفہ کے بجائے اپنا نام شامل کر دیا تھا،
دولت عباسیہ کے ماتحت یہ سب سے پہلی نیم خود مختار حکومت تھی، ۲۰۵ھ سے ۲۵۹ھ تک اس کا یہ
خاندان برسر اقتدار رہا، بالآخر یعقوب صفار نے اس کا خاتمہ کیا، یعقوب سیستان کے ایک قریہ قرنین
کا رہنے والا تھا، سیستان کے نائب حکیم درہم بن نصر نے اس کو سپہ سالار کے عہدہ پر فائز کیا تاہم
۲۴۷ھ میں اس نے درہم کو شکست دے کر فارس کا رخ کیا تو معتمد نے اسے طخارستان اور سندھ کی
حکومت دے دی، (۷۲) ۲۵۸ھ تک اس نے رخج، بلخ، بامیان، زمین دوار، والشان، تکین آباد،
قندھار، غزنہ اور کابل کو زیر نگیں کر لیا اور ۲۵۹ھ میں آل طاہر کا خاتمہ کر کے خراسان کو اپنی مملکت میں
شامل کر لیا، ابن خلکان کا بیان ہے:

"اس نے تمام اطراف واکناف، ملتان، رخج، طبسین، زابلستان (قندھار)
سندھ اور مکران کے بادشاہوں کو مطیع کر لیا"۔ (۷۳)

اس طرح صفاریوں کو یعقوب کی بدولت افغانستان کے بیشتر علاقوں میں صولت وسطوت

حاصل ہوئی، یعقوب پہلا مسلم حکمراں ہے جس نے دریائے آمو سے سیستان تک اور بادغیس مرو اور
ہرات سے کابل، گردیز اور زابلستان (قندھار) تک پورے افغانستان پر حکومت کی۔ (۷۴) کابل کا
علاقہ ایران و عراق کی طرح اسلامی ملک نہ تھا، صفاریوں نے اس کو اپنی قلمرو میں شامل کر کے اسلامی
ملک بنا دیا (۷۵) صفاری انصاف پسند اور علم دوست تھے وہ افغانستان کے پہلے مسلم بادشاہ تھے
جنہوں نے سلطنت میں دینی اور سیاسی وحدت کا رنگ پیدا کیا، ان کے عہد میں فارسی کو درباری اور ادبی
زبان کا مقام ملا، اسی زمانے میں مشرقی افغانستان کے بعض علاقوں نے (کابل سے گردیز تک) بدھ
اور غیر مسلم حکمرانوں کے اقتدار سے نجات حاصل کی (۷۶)۔

آل سامان

صفاری خاندان میں کل پانچ فرماں روا ہوئے، یعقوب بن لیث، عمرو بن لیث، طاہر بن
محمد بن عمرو، لیث بن عمرو بن لیث، معدل بن لیث (۷۷) ۲۸۸ھ میں آل سامان کے ذریعہ اس کا خاتمہ
ہوا، سامانیوں کی حکومت کا بانی اسد بن سامان بہرام چوبین کی نسل سے تھا، سامان مرو میں مامون کے ہاتھوں
اسلام سے مشرف ہوا اور اسد کے بیٹوں نوح، یحییٰ اور الیاس کو سلطنت عباسیہ میں ان کے کارہائے نمایاں
کے سبب بلند مناصب عطا ہوئے، ۲۸۷ھ میں عمرو صفاری بلخ میں اسمٰعیل بن احمد سے لڑتا ہوا گرفتار ہوا، عمرو
کے بعد صفاریوں کا زوال شروع ہو گیا اور سامانیوں نے حدود سیستان تک شمالی افغانستان اور ہرات پر قبضہ
کر لیا اور اسی سال طخارستان سے مرو اور ہرات اور ایران کا شمالی حصہ علاقہ ماوراء النہر اور مغربی افغانستان کے
علاقہ تک اپنی حکومت کا دائرہ وسیع کر لیا (۷۸) اس کے بعد اس خاندان کے متعدد فرماں روا ہوئے، سامانیوں
نے بالآخر ماوراء النہر میں اسلامی اقتدار قائم کیا (۷۹) پھر خاندان سامان کو غزنویوں نے مغلوب کیا۔

غزنوی خاندان

سامانیوں کے غلاموں میں الپ تگین نام ایک ترک غلام تھا اور فرماں روا کی
محافظ سپاہ میں نوکر تھا، ترقی کر کے حاجب الحجاب کے عہدہ سے سرفراز ہوا، خلیفہ طائع للہ کے عہد کا
سب سے اہم واقعہ افغانستان کی غزنوی حکومت کا قیام ہے، یہ حکومت فی الواقع ماوراء النہر کی سامانی
حکومت کی کوکھ سے پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ وسط ایشیاء سے لے کر ہندوستان تک پہنچ گئی، عبدالملک سامانی
کی وفات کے بعد اس کے لڑکے کی جانشینی کے مسئلے میں اختلاف کی بنیاد پر الپ تگین نے بغاوت
کر کے غزنین میں اپنی حکومت قائم کی، امیر منصور نے دومرتبہ اس پر فوج کشی کی لیکن دونوں مرتبہ ناکام
رہا (۸۰) الپ تگین کے انتقال کے بعد حکومت اس کے داماد سبکتگین کے ہاتھ آئی، اس کے اوصاف
جہانبانی کے تجربہ کے سبب جب امیر نوح نے فرماں روائے بلخ کی سرکشی فرو کرنے کے لئے اس سے
مدد طلب کی تو اس وقت وہ غزنہ میں تھا، وہاں سے اپنے بیٹے محمود کو لے کر اس کے پاس گیا اور ہرات
کے قریب فائق اور اس کے ساتھیوں کو نیشاپور (دیلمیوں کا علاقہ) کی طرف ڈھکیل دیا تو نوح نے محمود

کو سیف الدولہ اور اس کے باپ کو ناصر الدولہ کا خطاب دے کر غزنہ، کابل اور بلخ تک کا علاقہ سپرد کیا، خراسان سبکتگین کو اور محمود کو نیشاپور کا حاکم بنا دیا (۸۱) غزنوی سلسلہ میں کل ۱۶ فرماں روا خاص سبکتگین کی نسل سے ہوئے (۸۲) غزنویوں کی حکومت ۳۶۶ھ میں قائم ہوئی اور ۵۷۹ھ میں شہاب الدین غوری کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ اس مدت میں پندرہ فرماں روا ہوئے (۸۳) اس خاندان کا سب سے اولوالعزم فرماں روا محمود بن سبکتگین تھا جس نے تقریباً ۲۳ سال تک حکومت کی، اس کا پایۂ تخت غزنہ (غزنین) افغانستان کے ایک مرتفع خط و زمین پر شہر کابل سے پچھتر میل جنوب میں واقع تھا۔ محمود کی وفات کے بعد اس کی سلطنت کے حصے بخرے ہوگئے اور شمال و مغرب میں خانان ترکستان اور سلجوقی شاہانِ ایران مسلط ہوگئے اور وسطی حصہ میں غوری خاندان جس سے غزنوی خاندان کی رشتہ داریاں بھی ہوگئی تھیں لوٹ و غارت گری پر اتر آئے، (۸۴) سلطان سنجر کے زمانے میں بہرام شاہ بن مسعود ۵۱۱ھ میں غزنی کے تخت پر متمکن ہوا، جب غوریوں نے غزنی پر حملہ کیا تو بہرام مقابلہ کی تاب نہ لاکر ہندوستان چلا آیا لیکن بعد میں موقع پاکر پھر غزنی پر قابض ہوگیا (۸۵) مگر ۵۴۴ھ میں علاء الدین جہاں سوز نے غزنی کو جسے محمود غزنوی نے انتہائی محنت سے گل و گلزار بنایا تھا جلا کر خاکستر کردیا اور جہاں سوز کا لقب حاصل کیا (۸۶)۔ بہرام غزنی کی بربادی کا صدمہ برداشت نہ کرسکا اور اس غم میں جاں بحق ہوگیا (۸۷)۔

عہد دودمان پشتون

تیسری صدی ہجری میں کوہِ سلیمان اور اس کے نواحی علاقوں میں ایک پٹھان خاندان حکمراں تھا، اس خاندان میں تین بھائی تھے، غرغشت، بیٹنی اور سڑبن۔ یہ تینوں بھائی افغانستان کے کوہِ غور سے کوہِ سلیمان تک حکومت کرتے تھے، قبائلی رسوخ کے علاوہ فقر و تصوف میں ان کا بڑا درجہ تھا، کوہِ سلیمان سے آگے کوہِ غوندان تک قلات غلزئی پر خرشبوں بن سڑبن کی حکمرانی تھی، ۲۱۱ھ میں کوہِ سلیمان کے جنوبی دامن مسرغہ میں فوت ہوا، اسمٰعیل بن بیٹنی کو روحانیت کے ساتھ سیاسی نفوذ و اقتدار بھی حاصل تھا اور اس کا علاقہ کوہِ سلیمان کے شمال مغرب (واز خواہ) میں غزنی تک دراز تھا (۸۸)۔

عہدِ فریغونیان

فریغونیوں کا خاندان گوزگانان خداۃ کی نسل سے تھا جو اسلام سے قبل سطوت و اقتدار کے حامل تھے۔ سامانیوں اور غزنویوں کے عہد میں گوزگانان پر اسی خاندان کا تسلط تھا، دونوں ہی سلطنتوں سے اس کے نہایت مخلصانہ مراسم تھے۔ ان کی سلطنت کا دائرہ شمال کی طرف دریائے آمو اور جنوب کی طرف غرجستان، غور اور طالقان میں بلمند کے اطراف و جوانب تک وسیع تھا۔ اس خاندان کا فرماں روا فریغون تیسری صدی ہجری میں رباط افریغون کے حدود میں سکونت پذیر تھا (۸۹) اس کے

بادشاہ صلح پسند اور علم پرور تھے، اس خاندان کا حاکم ابوالحارث احمد بن محمد کا ذکر کتاب حدود العالم میں ملتا ہے جو ۳۷۲ھ میں بادشاہ کی نذر کی گئی تھی (۹۰) اس کے عہد میں یہ خاندان بام عروج پر تھا، ابن الاثیر کے بیان کے مطابق ۳۸۳ھ میں نوح خراسان سے گوزگان کی طرف آیا اور ابوالحارث اس سے جاملا، پھر جب سبکتگین نے ۳۸۵ھ میں فائق پر چڑھائی کی تو ابوالحارث نوح کی کمک کے لئے ہرات آیا، (۹۱) اس زمانہ میں اس نے اپنی دوسری بیٹی کی شادی محمود سے کی اور اس کی بہن سے اپنے بیٹے ابوالنصر احمد بن محمد کو منسوب کیا، ۳۸۶ھ میں سبکتگین کی وفات کے بعد محمود و اسمٰعیل کے درمیان صلح کی خدمت ابوالحارث ہی نے انجام دی اور محمود کے ساتھ غزنہ چلا گیا، بعد میں ۳۸۹ھ میں اسمٰعیل کی گرفتاری محمود نے ابوالحارث ہی کے ذمہ کی تھی (۹۲) زمین دوار سے رباط کروان کا علاقہ گوزگانان کے حدود میں تھا اور اس پر فریغون کا قبضہ تھا۔

عہد لودیان ملتان

غزنہ پر سبکتگین کے قبضہ کے بعد سامانیوں کا زور ٹوٹا اور طخارستان و بلخ سے گوزگان تک، ہرات، سیستان، بست اور کابل سے گردیز تک کے افغانستان کے علاقے غزنہ سے ملحق ہوگئے، ان دنوں راجہ جے پال لاہور سے خیبر تک حکمراں تھا اور مشرقی افغانستان کے بعض حصے سندھ اور ملتان لودیوں سے متعلق تھے، تاریخ افغان کے زمانۂ حال کے محققین کے نزدیک صرف لودھی اور سوری ہی افغانی تھے، اور بقیہ کو وہ افغان میں شمار ہی نہیں کرتے (۹۳) اس لودھی خاندان کے سندھ اور ملتان میں عربوں کی گرفت ڈھیلی ہونے کے بعد جب سندھ پر مقامی زمین داروں نے قبضہ جمایا تو ملتان میں چوتھی صدی ہجری میں علاقائی حکومت کی بنیاد رکھی اور اس کے بانی شیخ حمید نے پنجاب کے مقابلہ میں ملتان کی حفاظت کی اور افغانستان کی غزنوی حکومت کے مقابلہ میں نمایاں خدمات انجام دی (۹۴)، چنانچہ راجہ جے پال نے دوسری مرتبہ جب شکست کھائی تو حاکم ملتان (شیخ حمید) نے ۳۸۲ھ میں سبکتگین سے معاہدہ کرلیا (۹۵) پھر سلطان محمود غزنوی نے جب افغانستان کی طوائف الملوکی کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا تو ملتان کا حاکم شیخ حمید کا نواسہ ابوالفتح داؤد بن نصر بے دین تھا، ۳۹۶ھ میں محمود نے تادیب [illegible] حملہ کیا کہ داؤد بن نصر کو حملہ کا پتہ ہی نہ چلا، راستہ میں آنند پال نے مزاحمت کی لیکن مقابلہ کی تاب نہ لاکر کشمیر کے دروں میں روپوش ہوگیا، محمود نے ملتان پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا، سات روز کے محاصرہ کے بعد داؤد نے بیس ہزار درم دینے اور ملتان میں احکام شرعی کے نفاذ کا اقرار کیا اور توبہ کی، معاہدہ کے بعد سلطان غزنین واپس چلا گیا۔ معاہدہ کے چار سال بعد اہل ملتان کے کفر و الحاد سے دلچسپی کے سبب محمود نے ۴۰۱ھ میں دوبارہ ملتان پر حملہ کرکے لودیوں کی حکومت کا خاتمہ کردیا اور داؤد کو غزنین لے گیا، قلعہ غورک میں قید کردیا جہاں وہ فوت ہوگیا (۹۶) غرض افغان لودھیوں کی جو حکومت چوتھی صدی ہجری میں بمقام ملتان قائم ہوئی تھی پانچویں صدی ہجری کے طلوع

ہوتے ہوتے جاں بلب ہوگئی۔ یہ خاندان ہندوستان میں افغانی اور اسلامی تہذیب و تمدن کا اولین بانی ہے۔ لودیوں نے ۸۵۵ھ میں سلطان بہلول لودھی کے زیر قیادت ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی (۹۷) (جو ایک سو برس ۹۳۲ھ تک) جاری رہی لیکن افغانستان کی تاریخ سے اس کے خاندان کا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے اس کی تفصیلی ہمارے اس مقالہ کے موضوع سے باہر ہے۔

سلاجقہ ۴۱۶ھ میں سلطان محمود نے غز ترکوں کی بغاوتوں سے گلوخلاصی کے لئے ان کے ایک رئیس بیغو ارسلان المعروف بہ اسرائیل بن سلجوق کو بطور یرغمال کالنجر میں نظر بند کردیا (۹۸) لیکن اس کے بھائی میکائیل کے بیٹوں، طغرل بیگ، چغری بیگ، داؤد نے سلطنت غزنہ کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا، سلطان مسعود نے لشکر ترتیب دیا اور جب وہ ان سے قریب ہوئے تو سلجوقی پیچھے ہٹ گئے اور اپنے جنگی اسلحے اور ساز و سامان چھوڑ کر وادیوں میں روپوش ہوگئے، پھر ۴۲۹ھ میں سلطان مسعود کو طغرل نے دندانقان میں شکست دے کر نیشاپور میں حکومت قائم کرلی (۹۹)، سلطان مودود کے عہد میں سلاجقہ کا اثر و نفوذ جنوب میں سیستان اور شمال میں بلخ و طخارستان تک بڑھ گیا تھا، چغری بیگ کا بیٹا طخارستان بلخ، ترمذ، قبادیان، وخش اور ولالج پر قابض تھا، الپ ارسلان اور اس کے بیٹے ملک شاہ سے سلطان ابراہیم غزنوی کا سے دوستانہ مراسم تھے (۱۰۰) سلطان سنجر نے بہرام ارسلان کے مقابلہ میں شاہ غزنہ کی حمایت کی اور اسے اپنے ماتحت غزنہ کا بادشاہ بنادیا اور اس کی حکومت کا دائرہ لاہور تک وسیع ہوگیا (۱۰۱) مختصر یہ کہ سلجوقی حکومت کا رقبہ خراسان سے ایران و عراق تک پھیل چکا تھا تاہم ۴۴۳ھ میں جب طغرل بک نے خلیفہ قائم سے فرمان حکومت کی درخواست کی تو قائم نے فرمان، خلعت اور رکن الدولہ کے لقب سے طغرل کو نوازا اور بغداد مدعو کیا، طغرل شکرانہ کے طور پر قیمتی تحائف ملبوسات و جواہرات وغیرہ قائم کی خدمت میں لے گیا، قائم نے سلجوقی سفارت کے لئے خاص دربار منعقد کیا اور اس طرح سلجوقی حکومت کو خلافت بغداد کی مہر تصدیق حاصل ہوئی، اور مرکز کے ساتھ اس کے تعلقات کی بنیاد پڑی۔ (۱۰۲)

سلجوقی حکومت کی توسیع میں میکائیل کی تمام اولادیں شامل تھیں اس لئے طغرل نے داؤد کے ذریعہ مقبوضہ ممالک کو اپنے تمام بھائیوں اور بھتیجوں میں تقسیم کرادیا، خراسان کا بڑا حصہ داؤد کے قبضہ میں چلا گیا، بست، ہرات اور سیستان بیغو کو ملے اور طبس و کرمان داؤد کے لڑکے قاروت کے حصہ میں آیا اور عراق عجم طغرل بک کے زیر اقتدار رہا۔ (۱۰۳)

سلطان سنجر ۵۵۰ھ میں علاء الدین جہاں سوز سے معرکہ آرا ہوا اور اسے قید کرکے غور واپس بھیج دیا، اس کے بعد جب وسط ایشیا کے کوہستانوں سے نیم وحشی قبائل نے سنجری حکومت کا خاتمہ کیا اور (۵۵۲ھ میں) غزنہ، قندھار اور سیستان پر قبضہ کرکے خسرو شاہ غزنوی کو لاہور تک پسپا کردیا تو غوری

اور خوارزم شاہیوں نے غزوں کا فتنہ جلد ہی دبادیا (۱۰۴)۔

افغانستان میں خوارزمیوں کی حکومت کا آغاز و اختتام

اس حکومت کا بانی آتسز بن محمد خوارزم شاہ ہے۔ اس کا دادا انوشتگین بلکاتگین کے یہاں نوکر تھا، لیکن فہم و فراست کا مالک تھا، بلکاتگین کے انتقال کے بعد ملک شاہ نے ان کو خوارزم کا شحنہ مقرر کیا، اس کے بعد ۴۹۱ھ میں سلطان سنجر کے مشورہ سے سلطان برکیارق نے محمد کو منصب شحنگی سے سرفراز کرکے اسے خوارزم شاہ کا لقب عطا کیا (۱۰۵) افغانستان میں خوارزم شاہیوں کے اقتدار کا آغاز اس طرح ہوا کہ اس کے لائق افراد نے انوشتگین اور محمد کو شحنگی کے عہدے ملے اور خراسان میں سلطان سنجر کی حکومت کے قیام کے بعد محمد نے اپنی حسن خدمت سے سنجر کے مزاج میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کیا (۱۰۶) اس کے بعد اس کے لڑکے آتسز نے بھی سلطان سنجر سے اپنے والد کی وفاداری کے صلہ کے طور پر خوارزم کی حکومت حاصل کی۔

شروع میں اس نے بھی اپنی وفاشعاری کا ثبوت دیا اور دربار میں اس قدر اعزاز حاصل کیا کہ دوسرے امراء کو حاصل نہ تھا، امراء نے آتسز اور سلطان کو ایک دوسرے کے خلاف بدگمان کردیا۔ چنانچہ ۵۳۳ھ میں آتسز نے سلطان کے خلاف بغاوت کردی (۱۰۷) ابن اثیر کے بیان کے مطابق آتسز کے خوارزم میں قیام حکومت کے منصوبے کی اطلاع سلطان سنجر کو ہوئی تو اس نے فوج کشی کرکے خوارزم سے اس کو جلاوطن کردیا اور سلیمان شاہ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا، لیکن دو سال بعد ۵۳۵ھ میں آتسز نے پھر خوارزم پر قبضہ کرلیا (۱۰۸) ۵۳۶ھ میں کئی لاکھ وحشی غیر مسلم خطائیوں نے ماوراء النہر کے علاقوں پر حملہ کیا جس میں سلطان سنجر کو عظیم جانی و مالی نقصان اور شکست کا سامنا کرنا پڑا اور یہ علاقہ سلطان سنجر کے ہاتھ سے نکل گیا۔ سلطان کی شکست کے بعد آتسز نے خراسان پہنچ کر بڑی تباہی و بربادی مچائی، البتہ علماء کی سفارش پر نیشاپور اس طوفانی حملہ کی زد سے محفوظ رہا۔ آتسز نے سلجوقی امراء کی تمام املاک پر قبضہ کرلیا اور سنجر کا خطبہ بند کرکے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا، لیکن اہل نیشاپور کی مخالفت کے خوف سے سنجر کے نام کا خطبہ برقرار رکھا (۱۰۹)، خراسان میں آتسز کا مستقل قیام ناممکن تھا، اس لئے سنجر کی واپسی کے بعد خراسان چھوڑ کر خوارزم میں مستقل حکومت قائم کرلی، اپنی شکست کے دو سال بعد ۵۳۸ھ میں سنجر نے آتسز کے خلاف خوارزم پر حملہ کیا مگر کامیاب نہ ہوا تو آئندہ فوجی حملہ سے تحفظ کے لئے اطاعت قبول کر لی اور سنجر نے اس کو معاف کردیا (۱۱۰) لیکن پھر باغی ہوگیا تو ۵۴۲ھ میں سلطان نے چڑھائی کی، آتسز میں مقابلہ کی استطاعت نہ تھی، اس نے درمیان میں علما و مشائخ کو ڈالا تو سلطان علماء و مشائخ کی سفارش رد نہ کرسکا اور فوجی اخراجات کے لئے تیس ہزار سالانہ مقرر کرکے لوٹ گیا۔ (۱۱۱)، ۵۵۱ھ میں آتسز کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا ایل ارسلان جانشین ہوا، اس کے زمانہ میں سلطان سنجر کا انتقال ہوگیا

اور خراسان کا نظام درہم برہم ہوگیا، اس لئے ایل ارسلان نے مستقل حکومت قائم کرلی، (۱۱۲) جو ساتویں صدی ہجری کے وسط تک قائم رہی اور تاتاریوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔

خوارزمیوں میں سلطان جلال الدین منکبرتی بن علاء الدین (۶۱۷ھ تا ۶۱۸ھ) نے افغانستان کے مغربی اور شمالی حصوں پر حکومت کی، اس زمانہ میں افغانستان چار حصوں میں منقسم تھا۔ ۱۔ طخارستان سے مرو تک شمالی صوبے براہ راست سنجری دربار سے ملحق تھے، ۲۔ غور، بامیان اور گوزگان (ہرات کی حدود تک) کے علاقے غوریوں کے ماتحت تھے، ۳۔ علاقہ زابل بامند سے غزنہ و کابل تک اور ننگرہار سے پشاور و لاہور تک غزنویوں کے قبضہ اور ۴۔ ولایت سیستان (بست) اور زمین داور (زرنج، فراہ اور نیہ تک) ملوک سیستان کے تابع تھے (۱۱۳) (جاری)

حواشی و مراجع

(۱) Census of India ج ۱ حصہ ۳ الف ص xi ۱۹۳۱ء، (۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۲۹ (۳) سول اینڈ ملیٹری گزیٹ لاہور ۲۳ رنومبر ۱۸۹۸ء، (۴) اقوام افغانستان ص ۱۵ بحوالہ نسب افاغنہ ص ۳۵ (۵) یہ تمام معلومات نسب افاغنہ سے لی گئی ہیں، مزید تفصیل کے لئے اسی کتاب کا صفحہ ۳۵ و مابعد ملاحظہ ہو۔ (۶) نسب افاغنہ ص ۱۶ (۷) تاریخ ابو الفداء ص ۲۰۲ (۸) رحلہ ابن بطوطہ ذکر خلاف شاہ افغان ص ۳۹۷ مطبوعہ دار بیروت ۱۹۶۴ء، (۹) نسب افاغنہ ص ۱۷ (۱۰) ج ۲ ص ۹۳۰ (۱۱) عہد اسلامی کا ہندوستان ص ۲۱۷۔۲۱۸ (۱۲) معارف جنوری ۱۹۴۷ء ج ۵۹ ص ۶۸ (۱۳) عہد اسلامی کا ہندوستان ص ۲۲۱ (۱۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۳۹ (۱۵) ورلڈ ریفرنس اٹلس ص ۵۲ مطبوعہ لندن ۱۹۹۸ء، (۱۶) ایضاً (۱۷) نسب افاغنہ ص ۴ (۱۸) ترجمہ مخزنِ افغانی ص ۶۲ شرح (۱۹) نسب افاغنہ ص ۵ (۲۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۳۹ (۲۱) گزیٹیر افغانستان ص ۱۶۳ (۲۲) طبقات ناصری ص ۳۴ (۲۳) نسب افاغنہ ص ۸ (۲۴) ج ۲ ص ۹۳۱ (۲۵) گردیزی ص ۱۰۹ طبع محمد ناظم (۲۶) گزیٹیر افغانستان ص ۱۶۳ (۲۷) طبقات ناصری ص ۳۱۵ (۲۸) تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۵۷۔۵۹ (۲۹) ایضاً ص ۵۴۰ (۳۰) جامع تاریخ ہند (عہد مغلیہ) ص ۹۴۲ (۳۱) مبارک شاہی ص ۱۹۶۔۱۹۷ (۳۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۳۶ (۳۳) Cambridge History

of India V.I بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۴۸ (۳۴) Les Chionites-Heptatiles ص ۹۹ مطبوعہ ۱۹۴۸ء، (۱/۳۴) مذکورہ معلومات اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۴۸ تا ۹۵۰ سے لی گئی ہیں (۳۵) نسب افاغنہ ص ۲۲۔۲۳ (۳۶) حیات زردست، جیکسن ص ۴۴۔۴۵ بحوالہ بالا کتاب میں سیستان کا اخیر لکھا ہے اس سے ممکن ہے غزنی یا ہرات مراد ہو (۳۷) سائنس آف ریلیجن، فرلانگ ص ۳۹ مطبوعہ ۱۸۹۷ء، (۳۸) تاریخ نیرنگ افغان ص ۱۲ تا ۲۱ (۳۹) نسب افاغنہ ص ۲۴۔۲۵ (۴۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۳۳ (۴۱) تتمۃ البیان فی تاریخ الافغان سید جمال الدین افغانی ص ۱۷۔۱۸، مطبعۃ الموسوعات مصر ۱۹۰۱ء و تاریخ ایران ج اول ص ۱۹ (۴۲) نسب افاغنہ ص ۲۸ (۴۳) طبقات ناصری ص ۲۹ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۴ء، (۴۴) نسب افاغنہ ص ۳۱ (۴۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۵۱ (۴۶) تفصیل کے لئے دیکھئے طبری ج ۵ واقعات ۳۱ھ ص ۲۸۸۲ و مابعد (۴۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۵۱ (۴۸) تاریخ ہند ہلفنسٹن ص ۲۶۰ (۴۹) نسب افاغنہ ص ۲۶ (۵۰) تاریخ خورشید جہاں ص ۲۵ (۵۱) فتوح البلدان بلاذری ص ۴۰۱ و ۴۰۲ (۵۲) ابن اثیر ج ۳ ص ۱۰۱ و ۱۰۲ (۵۳) ابن اثیر ج ۳ ص ۳۶۶ و بلاذری ص ۴۰۳ (۵۴) یعقوبی ج ۲ ص ۲۵۸ (۵۵) ابن اثیر ج ۳ ص ۳۶۶ و فتوح البلدان ص ۴۰۳ (۵۶) مذکورہ حالات اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۵۳، ۹۵۴ سے ملخصاً ماخوذ ہیں (۵۷) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مفاتیح العلوم بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۵۹ (۵۸) معارف ابن قتیبہ ص ۱۶۲، مکتبہ حسینیہ، مصر ۱۹۳۴ء و یعقوبی ج ۲ ص ۴۱۳ (۵۹) طبری ج ۱۰ ص ۸۷ و تاریخ اسلام حصہ سوم ص ۱۴۷ (۶۰) یہ حالات اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۵۶ سے ماخوذ ہیں (۶۱) ابن اثیر ج ۵ ص ۹ واقعات ۹۶ھ (۶۲) بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۵۸ (۶۳) سلسلۃ التواریخ ص ۲۰۱، ۲۰۲، دار الطباعۃ السلطانیہ پیرس ۱۸۱۱ء، (۶۴) کتاب حدود العالم ص ۴۳ مطبوعہ طہران ۱۳۵۲ھ (۶۵) الوزراء والکتاب ص ۲۸۱ تا ۲۸۸ جہشیاری و مقدمہ ابن خلدون الفصل الثامن عشر فی ان آثار الدولۃ ... الخ ص ۱۴۹، ۱۵۱ (۶۶) الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ ص ۴۳۷ و الخراج و صنعۃ الکتابۃ، قدامہ ص ۲۳۶ تا ۲۴۹ دار الکتب المصریہ ۱۹۷۱ء، (۶۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۵۹ (۶۸) ابن اثیر ج ۶ ص ۸۳ (۶۹) مسلمان شاہی خاندان اور ان کے سلسلے اسٹین لین پول مترجمہ عبد الرحمن خان ص ۱۳۵ (۷۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۶۰ و تاریخ اسلام حصہ سوم ص ۱۵۸ و تاریخ

اسلام پر ایک نظر ص ۲۶۱ (۷۱) فتوح البلدان ص ۴۰۹ و ۳۳۶ (۷۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۶۰ (۷۳) ابن خلکان ج ۳ ص ۳۵۱ (۷۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۶۱ (۷۵) تاریخ اسلام حصہ سوم ص ۳۱۸ (۷۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۶۳ (۷۷) تاریخ اسلام سوم ص ۲۷۹ (۷۸) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۶۲، ۹۶۳ (۷۹) تاریخ اسلام پر ایک نظر ص ۲۶۲ (۸۰) تاریخ اسلام حصہ چہارم ص ۴۲ و مسلمان شاہی خاندان اور ان کے سلسلے ص ۱۳۸ (۸۱) ابن اثیر ج ۹ ص ۷۱-۷۲ (۸۲) تاریخ اسلام پر ایک نظر ص ۲۶۴ (۸۳) ناموں کی صراحت کے لیے دیکھئے تاریخ اسلام حصہ چہارم ص ۴۳ (۸۴) تاریخ اسلام پر ایک نظر ص ۲۶۶-۲۶۷ (۸۵) عہد اسلامی کا ہندوستان ص ۹۵ (۸۶) طبقات ناصری ص ۵۷ (۸۷) عہد اسلامی کا ہندوستان ص ۱۵ (۸۸) تاریخ افغانی بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۶۵ (۸۹) عتبی کی تاریخ یمینی بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۶۵ (۹۰) کتاب حدود العالم مقدمہ ص او گشائش کتاب ص ۷، مطبوعہ تہران اسفند ماہ ۱۳۴۰ھ (۹۱) ابن اثیر ج ۹ ص ۶۹، ۷۰ (۹۲) عتبی کی تاریخ یمینی بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۶۵ (۹۳) مرقع افغان ص ۲ مطبوعہ نیشنل پرنٹرس کمپنی علی گڈھ ۱۹۵۳ء (۹۴) "آریانا" کابل شمارہ ہشتم مورخہ اول، سنبلہ ۱۳۲۳ھ سال دوم ص ۱۹ (۹۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۶۶ (۹۶) مذکورہ تفصیلات طبقات اکبری ج اول ص ۹ و ۱۰ مطبوعہ کلکتہ سے ماخوذ ہیں (۹۷) طبقات اکبری ج اول ص ۶۹ و مرقع افغانی ص ۹ (۹۸) اخبار الدولۃ السلجوقیہ ص ۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۳۳ء، دولۃ السلجوقیہ ص ۶ مطبوعۃ الموسوعات مصر ۱۹۰۰ء (۹۹) ابن اثیر ج ۹ ص ۳۱۱ و اخبار الدولۃ السلجوقیہ ص ۵ (۱۰۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۷۳ (۱۰۱) اخبار الدولۃ السلجوقیہ ص ۹۲ (۱۰۲) راحۃ الصدور ص ۱۰۵ و ابن خلدون ج ۳ ص ۴۵۵ (۱۰۳) مفتوحہ ممالک کی تقسیم کے سلسلہ میں راوندی اور حمد اللہ مستوفی کے بیان میں جزوی اختلاف ہے، یہاں ان کا قدر مشترک مرقوم ہے، تاریخ گزیدہ ص ۴۳۷ و راحۃ الصدور ص ۱۰۵ (۱۰۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۷۳ (۱۰۵) تاریخ گزیدہ ص ۴۸۶-۴۸۷ (۱۰۶) ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۳ (۱۰۷) تاریخ گزیدہ حوالہ مذکور (۱۰۸) ج ۱۱ ص ۲۶ و تاریخ گزیدہ حوالہ مذکور (۱۰۹) مذکورہ کتابوں میں بڑی تفصیلات ہیں اس کا خلاصہ نقل کیا گیا ہے (۱۱۰) ابن اثیر ج ۱۱ ص ۳۷ (۱۱۱) تاریخ گزیدہ ص ۴۸۹ (۱۱۲) ایضاً ص ۴۹۰ (۱۱۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۹۷۳

صلحی خراسانی

از ڈاکٹر نور السعید اختر ٭

سلاطین مغلیہ کی داد و دہش، جود و سخا اور عزت و اقبال کی شہرت بیرون ہند متعدد ملکوں تک پھیل چکی تھی۔ ان کی معارف پروری اور ارباب علم و فن کی پذیرائی ضرب المثل ہو چکی تھی۔ ان کے امرا بھی اس باب میں کسی سے کم نہ تھے۔ ان کے دربار بھی شاہی درباروں کے ہمسر تھے۔

خصوصاً اس باب میں شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کا دور مثالی تھا۔ اس نے ۱۳ سال کی عمر میں عنان حکومت سنبھالی۔ علمی استعداد کی کمی کے باوجود اس نے علم و ادب کی بے مثال سرپرستی کی۔ نوعمر بادشاہ کی فیاضانہ بخششوں کا شہرہ سن کر بے شمار دانشور، شاعر، صاحب فن و تلاش قافلہ در قافلہ ہندوستان پہنچے۔ جن لوگوں کی رسائی شاہی دربار تک نہ ہو سکی انہوں نے امرا و فضلا کی محفلوں میں مقام پیدا کیا۔ اکبری دور کے نورتن بھی جوہر شناس تھے۔ خصوصاً عبدالرحیم خان خاناں نے کئی شعرا کو اکبر کے حضور میں پیش کیا۔ جن میں نظیری نیشاپوری اور عرفی شیرازی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

٭ بونم پرتی کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی، بونم نگر، اندھیری ایسٹ ممبئی ۹۳۔

مغلیہ شہزادے بھی ادبی سرپرستی کو اپنا شعار سمجھتے تھے۔ وہ خود بھی شاعر تھے۔
شعر و شاعری کے دلدادہ تھے۔ سفر و حضر صلح و جنگ کے موقعوں پر ادبا اور شعرا کو
اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ان کی شاہانہ فیاضیاں عام تھیں۔ ان کی شعر فہمی اور سخن سنجی کے
چرچے تھے۔ مغلیہ شہزادوں کی شعرا نوازی کا شہرہ ہر طرف تھا۔

ہمایوں نے اکبر کی بہتر سے بہتر تربیت کرنی چاہی تھی۔ لیکن اس کی بے وقت موت
نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس خواہش کو پورا کر سکتا۔ ثقہ حضرات اکبر کے اتالیق اور
استاد مامور ہوئے۔ سن بلوغ کو پہنچنے سے قبل اکبر پر خوف و خطر کے بادل منڈلا رہے
تھے۔ اس کے چچا کامران مرزا نے اسے کئی بار یرغمال بنایا تھا۔ ہمایوں کی خوش نصیبی سے
اکبر کو بیرم خاں جیسا اتالیق مل گیا تھا۔ بیرم خاں ایک ہمدرد اور وفادار اتالیق کے سوا
صاحب طرز ادیب اور ایک ذی فہم شاعر بھی تھا۔

ماہم بیگم (اکبر کی سوتیلی پردادی) ایک نیک، صالح، وفا شعار اور ذہین خاتون
تھی۔ اکبر کی تربیت میں ماہم بیگم کو کافی دخل تھا۔ ماہم بیگم نے اکبر کے کردار میں خود اعتمادی
شجاعت، بلند ہمتی، اعلیٰ ظرفی، بخشش و عطا اور عفو و کرم کے صالح اوصاف پیدا کئے تھے۔

بیرم خاں نے اسے عملی زندگی، عزم مصمم، صحبت صالح کے علاوہ رزم و بزم کے
آداب سے روشناس کرایا تھا۔ اکبر نے اپنی علمی کم مائیگی کے باوجود ان باتوں پر عمل کیا
لہٰذا اس کی حکومت کی بنیادیں مضبوط تر ہوتی گئیں۔ ہر طرف امن و امان کی لہر دوڑ
گئی۔ اس کا دربار ادبی و شعری کاوشوں کا مرجع و محور بن گیا۔ موسیقی و راگ راگنیوں سے
در و دیوار گونجنے لگے۔ علم و ہنر کی ترقی کے تمام وسائل اکٹھا ہو گئے اور ادب کی سرپرستی
کے فروغ کے لئے ماحول سازگار ہو گیا۔ اسی طرح شعر و ادب کے گلستاں کی آبیاری

اور سرپرستی کے لئے راستے ہموار ہو گئے۔

اس کے برعکس ایران کا صفوی دربار ادب نوازی کے سلسلے میں کشادہ دل اور
فراخ دست نہیں تھا۔ یہاں نظریات و عقائد کا اختلاف شدید تھا، جس کے باعث
اہل علم اپنے فضل و کمال کا حسب دلخواہ صلہ و مراعات حاصل نہ کر سکے۔ اس صورت
حال کے پیش نظر متعدد شاعر و ادیب، صاحب فن اور نقاش ترک وطن کر کے
سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے۔ ان مہاجرین شعرا کے
کلام اور ان کی نگارشات میں ترک وطن کے اسباب اور ہندوستان میں ان کی
قدر و منزلت کا حال موجود ہے۔

اس دور کے جن اصحاب فن نے ہندوستان کا رخ کیا ان میں صلحی[1] جیسی باکمال
شخصیت کا بھی شمار ہوتا ہے۔

نام صلحی کے متعلق محدود معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ جن چند تذکروں میں ان کا ذکر
ملتا ہے وہ ناکافی ہیں۔ ان کے نام سے متعلق اتنی صراحت ہو سکی ہے کہ وہ اپنے شاعرانہ
مرتبہ اور صوفیانہ مزاج کے پیش نظر شیخ متقی، شیخ صلحی کے نام سے مشہور تھے۔ ممکن ہے
انہوں نے اپنے مشرب صلح و آشتی کے پیش نظر صلحی تخلص اختیار کیا ہو۔ صلحی کی مثنوی
"وامق و عذرا" کا ایک مخطوطہ جامعہ بمبئی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے کے
ابتدائی صفحہ پر خط شکستہ میں جو عبارت درج ہے اس سے صلحی کے نام اور وطن کی صراحت

[1] صلحی خراسانی اور صالحی ہروی یا صالح دو علیحدہ شخصیات ہیں۔ کتب خانہ گنج بخش،
اسلام آباد کے مرتب عارف نوشاہی نے انہیں ایک تصور کیا ہے (مخطوطہ نمبر ۱۴
۱۲۷۱/۲۶ نوشاہی)

ہوتی ہے۔ عبارت یہ ہے:

"من تعنیف شیخ متقی، شیخ صلحی الخراسانی..."[1]

سنِ پیدائش صلحی کی تاریخ پیدائش کی بابت تمام تذکرے اور تاریخیں ساکت ہیں۔ اس لئے مندرجہ ذیل شواہد کی بنیاد پر اس کے سال ولادت کا تعین کیا جا رہا ہے۔ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد کے کتب خانے میں فارسی قصائد کا ایک مجموعہ ہے۔ اس میں اہم شعرا کے قصیدے ہیں۔ اس مجموعہ میں لشکر خاں کے کشمیر کا گورنر مقرر کیے جانے پر تہنیتی قصائد محفوظ ہیں۔

لشکر خاں بخشی کے انتقال کے بعد ابوالحسن مشہدی کو شاہجہاں نے لشکر خاں کے خطاب سے نوازا تھا۔ اس نے جہانگیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء) اور شاہجہاں (۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۶ء) کے عہد میں کافی ترقی کی۔ شاہجہاں نے (۱۶۵۶ء/۱۶۵۷ء) کے درمیان لشکر خاں کو کشمیر کی گورنری عطا کی تھی۔ شاہی دربار سے منسلک تمام شعرا نے تہنیتی قصیدے لکھے۔ اس میں صلحی کا بھی قصیدہ شامل ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ صلحی ۱۶۵۶ء تک بقید حیات تھے۔

شہزادہ دانیال کا انتقال (۱۶۰۴ء مطابق ۱۰۱۳ھ) میں ہوا۔ صلحی نے مثنوی وامق وعذرا میں دانیال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

دگر شہزادہ کہ اہل کمال است — معین الدین، محمد دانیال است[2]

لشکر خاں کو محمد شاہجہاں میں سن ۱۶۵۶ء مطابق ۱۰۶۷ھ میں کشمیر کا گورنر مقرر

---

[1] مخطوطہ: مثنوی وامق وعذرا، از صلحی، مخزونہ بمبئی یونیورسٹی، ملکھیٹ کلکشن، نمبر ۱۳۳۔

کیا گیا۔ لہٰذا شہزادہ دانیال کے سانحۂ انتقال سے لے کر لشکر خاں کی مدح سرائی تک ۵۲ برس کا وقفہ ہے۔ صلحی کے کم از کم ۲۵ برس کی عمر میں ہندوستان میں وارد ہونے کے امکانات ہیں۔ لہٰذا لشکر خاں کی تقرری (۱۶۵۶ء/۱۰۶۷ھ) تک صلحی کی عمر ۷۷ برس کے قریب ہوگی۔ ان حقائق کی روشنی میں ۱۶۵۶ء/۱۰۶۷ھ سے ۷۷ برس گھٹا دئے جائیں تو صلحی کی پیدائش کا سن اندازاً ۱۵۷۹ء نکلتا ہے۔ جو راقم کے نزدیک قابلِ قبول ہے۔

وطن شیخ صلحی خراسانی الاصل تھے۔ انہوں نے اپنے وطن مالوف کی طرف مندرجۂ ذیل اشعار میں واضح اشارہ کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

بدست ظالمان ظلمت اندیش — خراسانی دل افگار و جگر ریش
خراسان آنچنان گشت محنت آباد — کہ یک دل را ندیدم از غم آزاد

اکتسابِ علم و فضل صلحی کے اکتساب علم و فضل سے متعلق شواہد موجود نہیں ہیں۔ اس باب میں تذکرے اور ہم عصر تاریخیں بھی خاموش ہیں۔ البتہ صلحی کی مثنوی وامق وعذرا کے غائر مطالعہ سے ان کی علمی و ادبی لیاقت اور علمی فضل و کمال کے پایہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ صلحی کو علوم متداولہ کے علاوہ فقہ و حدیث میں بھی درک تھا۔ وہ فلسفہ اور تصوف کے رموز و نکات سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ عشقِ مجازی اور معرفت کی باریکیوں کی عقدہ کشائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

دلا تا کی بود دنیای فانی — کنی تکرار صورت بے معانی
ز معنی تا بکی وارستہ باشی — بقیدِ صورتِ دل بستہ باشی
اگر از راہِ صورت روی تابی — ز معنی گوہر مقصود یابی (وامق وعذرا)

صلحی نے جا بجا علم نجوم اور ہیئت کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ ان اصطلاحات کو

صلحی نے بطور تشبیہ و استعارہ برتا ہے۔ ان کے اس انداز بیان سے تصوف کے غوامض کی تشریح میں آسانی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر:

ببالاتر ازاں جا جلوہ گر شد　　عطارد از عطایش بہرہ ور شد

زشوق وصل او از روی اخلاص　　گرفتہ زہرہ چنگ و گشتہ رقاص

ببالاتر از و زد توسنش گام　　نبا شد از وے بہرہ بہرام

علمی و ادبی کاموں کی تالیف و تصنیف میں گہری سوچ و فکر سے کام لینا ایک عالم و فاضل کا فرض ہے۔ اس ضابطہ کی پابندی میں صلحی ہر کام کو اطمینان بخش انداز میں انجام دینے کے خواہاں رہے۔ اس ضابطہ کی تائید میں صلحی کا اشارہ ملاحظہ کیجیے:

زنوک فکر سفتم این جواہر　　وزیں فکر شوم آسودہ خاطر

زبے تاریخ کردم جست و جوی　　شدم سرگشتہ در ہر شہر و کوئی (وامق وعذرا)

استاد حقیقی و معنوی | شیخ صلحی نے جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا تھا اس کا صحیح علم نہ ہو سکا۔ کسی تذکرے یا ہم عصر تاریخوں میں بھی کوئی حوالہ نہیں ملتا جس سے اس حقیقت کا انکشاف ہو سکے۔ البتہ صلحی نے استاد معنوی کی طرف نہایت واضح الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔ صلحی کو صوفی باصفا مولانا عبدالرحمٰن جامی (متوفی ۸۹۸ھ مطابق ۱۴۹۲ء) سے روحانی ارادت تھی۔ مولانا جامی کا انتقال صلحی کی پیدائش سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ صلحی کو سن شعور تک پہنچتے پہنچتے جامی کے انتقال کو یقیناً سو برس[1] گذر چکے تھے۔ تاہم صلحی نے مولانا

[1] معارف مقالہ نگار کے نزدیک صلحی کی پیدائش کا سال ۱۵۷۹ء قابل قبول ہے اور وہ جامی کا سال وفات ۱۴۸۹-۹۰ء بتاتے ہیں گویا ان کے انتقال کے وقت صلحی ۱۰-۱۱ برس کے تھے۔ ایسی صورت میں ان کے سن شعور تک پہنچتے پہنچتے جامی کے انتقال کو ۱۰۰ برس کیسے ہو جائے گا۔

جامی کی متعدد صوفیانہ کارگزاریوں سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔ وہ جامی کے صوفیانہ اور عالمانہ مرتبہ کے قائل تھے۔ اسی لئے وہ غیبی طور پر جامی ہی سے علمی و معنوی رہنمائی کے خواہاں رہے۔ جامی سے صلحی کا والہانہ عشق و اعتقاد رنگ لایا اور انہوں نے خواب میں دیکھا کہ مولانا جامی نے ان کے کلام اور فن کی داد دی۔ صلحی کو مثنوی وامق وعذرا کے تکمیل کی ترغیب دی اور اس داستان کو تمثیلی انداز میں پیش کرنے کے لئے سراہا تاکہ اس کے ذریعہ تصوف کے اسرار و رموز کی عقدہ کشائی ہو سکے۔ صلحی نے اپنے استاد معنوی سے عقیدت مندی کا اظہار ذیل کے اشعار میں نہایت گرم جوشی سے کیا ہے ؎

کلامش بود اسرار حقیقت　　ہدایت بخش ارباب طریقت

بفن نظم و نثر استاد نامی　　جناب حضرت مخدوم جامی

مرا در خدمت خود پیشتر خواند　　بفتح کار من الحمد بر خواند

زفیض اوست این گویائی من　　سجل بہر سخن دانائی من

مرا از لطف آں شاہ سخن سنج　　بدست افتاد در نظم بیرنج

ترک وطن کا سبب | صلحی ایران کے مردم خیز خطے کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے زندگی کے کچھ دن ہرات میں بھی گذارے تھے۔ لیکن انہیں کہیں اطمینان نصیب نہیں ہوا وہ راسخ العقیدہ سنی تھے۔ شاہ اسمٰعیل صفوی (۱۴۸۶ء-۱۵۲۴ء) کے عہد میں شیعیت کا ایران میں غلبہ ہوا تو دوسرے عقیدہ کے ماننے والوں پر سختی کی جانے لگی۔ اس سختی نے رفتہ رفتہ مظالم کی شکل اختیار کر لی۔ مجبوراً لوگوں کو ترک وطن کے سوا چارہ نہ رہا۔ چنانچہ صلحی نے بادشاہ وقت کی ان ظالمانہ حرکتوں اور ترک وطن کے اسباب کو موثر انداز میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

ولی بودم من از جورِ زمانہ — گریزاں دائما خانہ بخانہ
بدستِ ظالماں بےچارہ بودم — زملکِ عافیت آوارہ بودم
نشستہ دائما در گوشۂ دل غم — شدی با محنتِ ایام ہمدم
مدامم محنت و غم یار بودی — زگریہ دیدہ گوہر بار بودی
میانِ خاک و خون از گریہ خفتی — غزل از حسبِ حالِ خویش گفتی
میسر نہ دوات و خامہ بودی — نہ از بہرِ نوشتن نامہ بودی
جفاہا در ہری بسیار دیدم — در آں کشور پس آزار بودم
ہری گر بعالم چوں بہشت است — بدستِ ظالماں تا ہست زشت است
بدستِ ظالمانِ ظلمت اندیش — خراسانی دل افگار و جگر ریش
خراساں آنچناں گشت محنت آباد — کہ یک دل را ندیدم از غم آزاد
بسی گشتم پریشاں در زمانہ — ندیدم عافیت را در میانہ
بسوی ہند رہ پیمای گشتم — در آں کشور قدم فرسائی گشتم

ان حالات کے پیشِ نظر انہوں نے اکبر کے دور میں ہندوستان کا رُخ کیا۔

صلحی کی شاہی دربار سے وابستگی صلحی نے شہنشاہ اکبر کے جود و سخا کی تعریف کی ہے۔ بادشاہانِ وقت کو دعاؤں سے نوازا ہے۔ صلحی نے بادشاہِ وقت کو خراجِ عقیدت ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

بحمد اللہ کہ شد این نظم روشن — بمدحِ شاہِ ابوالغازی مزین

---

[۱] سلطان محمد خدا بندہ کے عہد میں ہرات میں بغاوت اور سیاسی ابتری: بحوالہ "غزالی مشہدی حیات اور کارنامے" از نعمان عباسی ص ۳۳۔

سپہرِ شاہانِ عالم شاہ اکبر — تعالیٰ شانہ اللہ اکبر
شہی کو مالکِ بحر و بر آمد — جلال الدین محمد اکبر آمد
کواکب حشمتے گردوں سریری — باوجِ سلطنت مہرِ منیری
خوشا چشمی کزاں رو بہرہ مند است — بدیدارِ جمالش ارجمند است
جہاں از عدل او پر زیب و زین است — دعائے او بعالم فرضِ عین است
شہا مدح تو چوں از حد بروں است — کہ ہر چیزی کہ میگویم فزون است

شہنشاہِ اکبر کے یہاں تین نرینہ اولادیں ہوئیں (۱) سلطان مراد (۲) دانیال (۳) جہانگیر۔ یہ تینوں شہزادے شعرا اور علما کی قدردانی کے لئے مشہور ہیں۔

جہانگیر ۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء دورِ حکومت نور الدین محمد سلیم جہانگیر سیف و قلم کا دھنی تھا۔ اس نے اپنا روزنامچہ سلیس اور بامحاورہ فارسی میں تحریر کیا ہے۔ یہ تزکِ بابری کی طرح تزکِ جہانگیری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جہانگیر کو شعر و ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ اس کے اس اعلیٰ فطری ذوق کو نورجہاں کی رفاقت نے مزید جلا بخشی۔ جہانگیر کے دربار سے عرفی، نظیری، طالب آملی اور شیدا جیسے شعرا وابستہ رہے۔ جن کی سخن سنجی اور شیریں بیانی کا ہندوستان بھر میں شہرہ تھا۔

شیخ متقی شیخ صلحی نے بھی جہانگیری دربار سے فیض حاصل کیا۔ اس کا لطیف سا اشارہ انہوں نے مثنوی وامق و عذرا کی تمہید میں کیا ہے۔ یہ اشارہ ہمارے دعوی پر دلالت کرتا ہے ؎

سپہرِ سلطنت سلطاں سلیم است — کہ بر خاکِ درش دولت مقیم است
ازاں بیناست چشمِ اہلِ بینش — بآں روشن چراغِ آفرینش

زفیضِ اوست عالم عشرت آباد
چونام خود سلامت در جہاں باد[1]

صلمی نے ولی عہد سلطنت جہانگیر کو سپہرِ سلطنت کہہ کر اپنی عقیدت مندی کے پھول برسائے۔ اس کی بخشش و عطا کی خوبیوں کو مجازاً ظاہر کیا اور یہ کہنے کی کوشش کی کہ دولت اس کے گھر کی لونڈی ہے۔ اس کے علم و فضل، دانش و بینش کی مدح سرائی میں مبالغہ سے کام نہیں لیا۔ بلکہ صاف صاف کہا کہ اہل بینش کی آنکھوں نے جہانگیر کے علم و فن سے نور حاصل کیا۔ اس کے جود و سخا اور رعایا پروری کی خصلت کو یہ کہہ کر ظاہر کیا کہ اس کے فیض سے ساری دنیا عیش و عشرت کا گہوارہ بنی ہوئی ہے ؎

ع زفیضِ اوست عالم عشرت آباد ص[11]

مختصر یہ کہ ان اشعار میں شہزادہ سلیم جہانگیر کی معارف پروری اور رعایا نوازی کی طرف واضح اشارہ ہے۔

سلطان مراد (متوفی ۱۰۰۷ھ/م ۱۵۹۸ء) اکبر کا چہیتا بیٹا "دکن کا فاتح" بہ قول اکبر "پہاڑی راجہ" ۱۵ شوال ۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۸ء میں کثرت شراب نوشی کے باعث شاہ پور ضلع بلڈانہ دکن میں فوت ہوا۔ اس وقت اکبر اپنی تخت نشینی کا ۴۴واں جلوس منا رہا تھا۔ نظیری نیشاپوری اور مرزا لعل بیگ لعلی مراد کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ صلمی نے ذیل کے اشعار میں سلطان مراد کی مدح سرائی کی ہے:

دگر سلطان مراد آن شاہزادہ
کہ گردوں در رہ او سر نہادہ

ازان پیشانی گردون کبود است
کہ دائم در رہش سر در سجود است

ہمیشہ در جہاں پائندہ بادا
بعالم نور او تابندہ بادا

[1] مثنوی وامق و عذرا۔ از صلمی مخطوطہ۔ جامعہ ممبئی۔ کھٹکھٹے کلکشن، نمبر ۱۴۴۔

نظیری کو سلطان مراد سے قلبی لگاؤ تھا۔ سلطان مراد کی حسرت ناک موت پر نظیری نے جگر خراش مرثیہ لکھا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

خلقے بہ شیون اندو نگویند حال چیست
صبر سخن شنیدن و تاب بیان کجا است

آفاق در مصیبتِ او ممتحن شدہ
این مرگ باعثِ الم مرد و زن شدہ

کلیات نظیری

دانیال (پیدائش: ۹۷۹ھ/ ۱۵۷۱ء) (متوفی ۱۰۱۳ھ/ ۱۶۰۴ء) سلطان معین الدین محمد دانیال اکبر کا چہیتا شہزادہ تھا۔ وہ عبدالرحیم خان خاناں کا داماد تھا اور شراب نوشی کی بری لت کا شکار تھا۔

سقوط اسیر گڑھ (۱۰۰۹ھ/م ۱۶۰۱ء) کے بعد خاندیس کا پہلا صوبیدار مقرر ہوا۔ اور اس کے نام پر اس دیس کا نام "داندیس" رکھا گیا۔ مگر اسے قبول عام کی سند نہ ملی۔ شہزادے کی الم ناک اور حسرت آگیں موت نے اس نام کو لوحِ جہاں سے حرف مکرر کی طرح مٹا دیا۔

برہان پور میں شاہدرہ جاتے وقت دولت خانی کے [illegible] بائیں ہاتھ پر دانیال کا عظیم الشان بلند مقبرہ تھا۔ چند سال [illegible] نے اس کی آخری نشانی کو بھی مٹا دیا۔

صلمی نے مثنوی 'وامق و عذرا' کے ابتدائی اوراق میں دانیال کو والہانہ انداز میں مخاطب کیا ہے اور اس کی ساری خوبیوں کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے ؎

دگر شہزادہ کہ اہلِ کمال است
معین الدین، محمد دانیال است

گل نو رستہ گلزارِ شاہی
مخلد بر سرش ظلِ الٰہی!!

خداوندِ بفر قدرتِ خود (کذا) بلطف بیکراں و رحمت خود
کہ باد این پادشاہی تا دم صور جہانِ عدل ایشان باد معمور
بتخت پادشاہی تا قیامت شہ و شاہزادہا بادا سلامت

شاعر نے شہزادہ دانیال کو اکبر کے خاندان کا گلِ سرسبد کہا ہے۔ جس پر ظل الٰہی ہے۔ شاعر شہزادے کو دعا دیتا ہے کہ اس کی سلطنت قائم رہے، اس کا عدل دائم رہے اور وہ تا قیامت سلامت رہے۔ ان اشعار سے صلحی کی مرزا دانیال سے بے پناہ وابستگی، لگاؤ اور اپنائیت کا اظہار ہوتا ہے۔

آخری ایام اور مدفن تقی اوحدی نے عرفات العاشقین میں اس بات کی شہادت دی ہے کہ صلحی کے آخری ایام مالوہ (حالیہ مدھیہ پردیش) میں گزرے۔ وہ اسی سرزمین میں سپرد خاک ہوئے۔

"عرفہ و یکی از جملہ صلحی تخلص آنست کہ دریں ازمنہ سیاحت می نمودہ، در مالوہ فوت شدہ اضدادِ وجودش را تصالح از میان برخاستہ و یقین کہ ازان دو صلحی نیست و ایں غزل از اوست۔"[2]

لچھمی نرائن شفیق نے تقی اوحدی کے حوالے سے تذکرہ شامِ غریباں میں صرف اس قدر تحریر کیا ہے کہ:

"صلحی ولایت زا (کذا) و معاصر تقی اوحدی است۔ بہند آمد و در مالوہ وفات یافت"

او می گوید:

[1] تذکرہ ریاض الشعراء۔ سید محمد والہ داغستانی، صلحی اور صالحی کو خلط ملط کر دیا ہے۔ [2] تذکرہ عرفات العاشقین از تقی اوحدی۔ خدا بخش اورنٹیل لائبریری، پٹنہ، ص ۴۲۰ ب۔

گفتیم کہ صلحی ز غلامانِ قدیم است! زد خندہ کہ خوب است ولی قابل ما نیست[1]

ان بیانات کی رو سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ صلحی نے مالوہ میں آخری سانس لی اور وہیں مدفون ہوئے۔

ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم بھی اس حقیقت سے متفق نظر آتے ہیں۔ البتہ کتابت کی غلطی کی وجہ سے مالوہ[2] کی بجائے "مالدہ" (حالیہ بنگال) چھپ گیا ہے۔

راقم کی دریافت کردہ مثنوی وامق و عذرا (از صلحی خراسانی) سے بھی مندرجہ بالا بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔

جامعہ بمبئی (کھٹکھٹے ڈکلکشن) میں محفوظ اس مخطوطہ (نمبر ۱۴۴۴) کے سرورق پر جو عبارت تحریر ہے اس کے کاتب شہباز لاہوری نے سیہور (صوبۂ اجین حالیہ مدھیہ پردیش) کے مقام پر (جو سلطان مراد کی جاگیر تھی) اس مثنوی کو نقل کیا ہے۔

سرورق کی عبارت ملاحظہ کیجیے:

"من تصنیف شیخ متقی شیخ صلحی الخراسانی ...... قصبہ سیہ ہور (سیہور)

[1] تذکرہ شام غریباں۔ از شفیق۔ مرتبہ ڈاکٹر اکبر الدین صدیقی ص ۱۵۳ مملوکہ مرتب [2] نوٹ: شہنشاہ اکبر نے مالوہ کا علاقہ سلطان مراد کو بطور جاگیر عطا کر دیا تھا۔ بحوالہ تزک جہانگیر ص ۲۲۔ مترجم مولوی احمد علی رامپوری۔ لاہور ۱۹۶۰ء۔ خاندیش کا علاقہ (داندیش) مرزا دانیال کو بطور جاگیر دیا گیا تھا۔ بحوالہ آئین اکبری۔ از ابوالفضل "بتوجہ عرش آشیانی چوں قلعہ اسیر مفتوح گشتہ ایں ملک شاہزادہ دانیال را مفوض گردید۔ از روبہ داندیش شہرت یافت۔" (آئین اکبری جلد دوم۔ مترجمہ جیرٹ ص ۲۳) تذکرہ روز روشن کے مولف کے مطابق چار شعراء گزرے ہیں جن کا تخلص صلحی تھا (۱) صلحی خراسانی (۲) صلحی کرانی (۳) صلحی مازندرانی اور صلحی یزدی۔ صلحی خراسانی کو البیانی بھی کہا ہے (بقیہ حاشیہ ص ۱۴۲ پر)

حالیہ مدھیہ پردیش، صوبہ اجین جاگیر نواب سلطان ... عالم وعالمیان سلطان اعظم فی فوجدار شیخ خان محمد فوجدار ... قلمی نمودہ شد۔ کاتب الحروف محمد شہباز ...... ساکن دار السلطنت لاہور۔ حسب الفرمایش برخوردار "سعادت اطوار" خجستہ فرجام باد ہو سلام "بطوالت عمرہ و بلغ علمہ و صایب حفظہ رقم زد کلک شکر رقم" ہے[1]

راقم کی نظر میں دریافت شدہ نسخہ قدیم ترین اور مصدقہ ہے۔ حالانکہ اس کا ترقیمہ نہیں۔ سلطان مراد کی موت کے بعد مالوہ کی جاگیر مرزا دانیال کے تصرف میں آگئی۔ سلطان دانیال نے برہان پور کو اپنا مستقر بنالیا تھا۔

جامعہ بمبئی کے مخطوطہ کی سرورق کی عبارت میں "سلطان اعظم" کی ترکیب سے ہمارے دعوی کو تقویت پہنچتی ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا مناسب ہے کہ یہ مخطوطہ ۱۰۸۴ھ م ۱۶۷۳ء سے قبل نقل ہوا تھا۔

عہد اورنگ زیب میں مالوہ کا صوبہ شہزادہ اعظم کی تحویل میں تھا۔ مالوہ کے فوجدار خان محمد نے اسے نقل کروایا تھا۔ یہ حوالہ سالار جنگ حیدرآباد کے مخطوطے میں بھی موجود ہے، ملاحظہ کیجیے "بندہ محمد خاں معروف خانمحمد صحاف در دار السلطنت لاہور خرید نمود۔ کتاب

(بقیہ حاشیہ ۱۴۱) مزید لکھا ہے کہ "از مردم ایران بود؛ یکبار بہ ہند ہم عبور کرد۔

غم تو آلودہ دروں ست دل محزونم   دست بر من نشنی آبلہ بر خونم

(ماخوذ از تذکرہ روز روشن از صبا (تالیف ایرانی)

[1] مثنوی وامق و عذرا جامعہ بمبئی کلکشن نمبر ۴۴۳۔

وامق و عذرا۔ بتاریخ بست ششم محرم الحرام ۱۰۸۴ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۶۷۳ء[1]

سلمی کا مسلک نویں صدی کے اواخر میں ایران میں شیعیت کا غلبہ تھا۔ بادشاہ وقت شاہ طہماسپ صفوی اہل تشیع میں تھا۔ دیگر عقائد اور مسالک کے لوگ ملامت اور ناروا سختیوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ اسی لئے ہرات اور خراسان کے سنی العقیدہ حضرات ایران بدر ہو رہے تھے۔ سلمی سنی مسلک کے قائل تھے۔ لہذا انہیں بھی ترک وطن کرنا پڑا۔

سلمی کے سنی العقیدہ ہونے کا ثبوت مثنوی کے ابتدائی عنوانات سے ہو جاتا ہے۔ حمد، نعت، منقبت اور معراج نامہ میں ان کے سنی عقیدے کے نقوش ملتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

چو سوی لی مع اللہ شد روانہ   بجای خویش بر تخت زمانہ

نشانہ از بہر امت یادگارے   بر اقلیم خلافت چار یارے

ذیل کے اشعار میں بھی اسی رجحان کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے ؎

رسوم شرع را تحقیق کردی   بیان نیک و بد را تفریق کردی

چو ثالث شد امام اہل اسلام   امیر المومنین عثمان شدش نام

زوزان اندر رخ او نور ایمان   مدامش رحم بودی بر ضعیفان

بعالم مشکلی گر رو نمودی   امیر المومنین حیدر کشودی

شہنشاہی در اقلیم ولایت   خداوندی بر ارباب ہدایت

حسن ما را امام نور دیدہ   کہ دیدہ در جہان چون او ندیدہ

شہید کربلا سلطان دین است   کہ منزل گاہ او خلد برین است

بر اصحابش دل و جانم فدا باد   مرادم از دم ایشان روا باد

---

[1] وامق و اعذرا، مخطوطہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد نمبر۔ این۔ ایم۔ ۱۰۲۰۔

زمن تا صبح و شام و ہر سحرگاہ — بود بر آل او "الف" تحیہ

خداوندا باصحاب پیمبر

مکن محروم صلحی را بہ محشر

متصوفانہ رنگ: صلحی نے "معراج نامہ" میں اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ ان کی بیان کردہ داستان متصوفانہ رنگ و آہنگ کی حامل ہے۔ اس داستان کے تمثیلی پیرایہ میں عشق مجازی کے پردے میں عشق حقیقی اور اسرار الٰہی کی پردہ کشائی کی گئی ہے تصوف کے مدارج اور مقامات کی وضاحت صلحی نے ان الفاظ میں کی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں ؎

بود اول مقام عشق بازی — نظر در صورت عشق مجازی

مئے صورت چو ہوش از دل رباید — بسوی معینت راہی نماید

کہ صورت در حقیقت رہنمائیست — براہ عاشقی مشکل کشائیست

بود آئینہ روی دلربایان — درآن آئینہ صنع حق نمایان

اگر بینندۂ راہ یقینی — درآن آئینہ غیر از حق نہ بینی

بحمد اللہ کہ صلحی ہست عاشق — بمہر عاشقی چون صبح صادق

دلش باشد نگین خاتم عشق

نباشد نقش او غیر از غم عشق

عشق مجازی اور عشق حقیقی کی شرح و بسط کے لئے صلحی نے ایک مستقل باب تحریر کیا ہے۔ اس کا لب لباب ذیل کے اشعار سے متشرح ہوتا ہے ؎

بعالم چون علم زد رایت عشق — بشان آدم آمد آیت عشق

گرت باشد ز جام عشق مستی — شوی فارغ ز قید خود پرستی

شد آزاد آنکہ آمد بندۂ عشق — نمیرد آنکہ باشد زندۂ عشق

کارنامے: ۱۔ **کلیات صلحی:** متعدد ملکی اور غیر ملکی کتب خانوں کی فہرستیں دیکھنے اور چھان بین کرنے کے بعد یہ پتہ چلا ہے کہ شیخ صلحی کا کلیات کہیں موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے دست برد زمانہ کا شکار ہو گیا ہو۔ یا ابھی تک طاق نسیاں کی زینت ہو۔ تاہم مثنوی وامق و عذرا[1] میں پائے جانے والے داخلی اشارات سے پتہ چلتا ہے کہ صلحی کا کلیات تھا جو آج ناپید ہے۔

صلحی کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔ جن سے کلیات صلحی کے وجود کی تصدیق ہوتی ہے۔

کہ چون در غزل در یکپند سفتم — رباعی و قصیدہ نیز گفتم

کنم از مثنوی طبع آزمائی — وزان باید چرا دو شنائی لہ

تذکرہ عرفات العاشقین[2] کے مولف نے صلحی کے بیان میں ایک غزل درج کی ہے جس کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

ماتم کہ جز کوئی بلا منزل ما نیست — در عشق بجز درد مراد دل ما نیست

بہر خام قدم ہمرہی ما نتواند — کس را [illegible] صدائی جرس محمل ما نیست

ناصح چہ نمائی رہ [illegible] — از [illegible] ما آنچہ در آب و گل ما نیست

گفتیم کہ صلحی ز غلامان قدیم است — ز دخندہ کہ خوب است ولی قابل ما نیست

---

۱ مثنوی "وامق و عذرا" از صلحی۔ مرتبہ راقم ص ۶۹ (متن) ۲ کرم نامہ۔ مورخہ ۳ ۱/۸۹ نمبر ۱۳ ۵۴ از جناب عابد رضا بیدار، سابق ڈائریکٹر خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ (عرفات العاشقین از تقی اوحدی، خدا بخش لائبریری پٹنہ) ص ۲۰۱۰ ۳ فہرست مشروحہ مخطوطات فارسی۔ از اشرف سالار جنگ میوزیم لائبریری حیدرآباد دکن، جلد پنجم N.M.822-

سالار جنگ میوزیم حیدر آباد کے کتب خانہ کی ایک قدیم بیاض[1] میں صلحی کا ایک قصیدہ کا سراغ ملتا ہے۔ راقم فارسی مخطوطات کے کیپر KEEPER جناب ڈاکٹر رحمت علی صاحب کا بے حد ممنون ہے کہ موصوف نے اس قصیدہ کی نقل مرحمت فرمائی۔ اس قصیدہ میں اکیس ۲۱ اشعار ہیں۔ ان اشعار سے صلحی کی خواہش صلہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان اشعار سے ممکن ہے صلحی کے دل میں نوعی خبوشانی (خراسان) کے ساقی نامہ کی طرح صلہ پانے کا خیال پیدا ہوا ہو۔ صلحی نے یہ قصیدہ لشکر خاں کے کشمیر کا گورنر مقرر (۱۰۶۷ھ م ۱۶۵۶-۵۷ء) کئے جانے کے موقع پر کہا تھا۔ صلحی کے علاوہ چالیس مزید شعراء نے بھی طبع آزمائی کی تھی۔ صلحی کا قصیدہ ہر لحاظ سے منفرد ہے۔ مگر طوالت کے خوف سے اسے قلم انداز کیا جاتا ہے۔

مثنوی وامق وعذرا | مثنوی وامق وعذرا کی تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں صلحی نے مبالغہ کی حد تک شاعرانہ تعلی سے کام لیا ہے۔ فی الوقت ہمیں صلحی کے اس زعم سے واسطہ نہیں ہے البتہ صلحی کا یہ اقرار کردہ مثنوی وامق وعذرا عاشقان حقیقی ومجازی کے نام معنون کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اسرار الٰہی کی تہ تک پہنچ سکیں اور ان کا نام وکلام رہتی دنیا تک ایک یادگار نقش بنا ہے۔ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہے ؎

کتابی شد بنام عشق بازان — کزان سرہست کام عشق بازان

زاوراق فلک تا ہست نامے — بود دور زمانہ را کلامے

مثنوی کی بحر | صلحی نے وامق وعذرا (مثنوی) کے لئے نہایت مقبول ومعروف بحر کا

---

[1] عبدالرحیم خان خاناں نے نوعی کو (ساقی نامہ) ۱۰ ہزار روپے اور ہاتھی گھوڑے عنایت کئے تھے۔ بزم تیموریہ از سید صباح الدین عبدالرحمن ص ۳۰۹

انتخاب کیا ہے۔ اس بحر میں شاعر کو تاثر پیدا کرنا ہوتا ہے اور شوکت الفاظ سے اس کی خوبیوں میں اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ صلحی نے برجستہ الفاظ کے استعمال میں خصوصی توجہ مبذول کی ہے۔ تاکہ انداز بیان میں ندرت پیدا ہو سکے اور وہ منتخبہ بحر کے تمام لوازمات سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ اس مترنم بحر میں [illegible] کے معروف شعراء[1] نے طویل صوفیانہ مثنویاں قلم بند کی ہیں۔ صلحی بھی اپنے تجربہ میں کامیاب رہے ہیں۔

بحر:- بحر ہزج مسدس مقصور یا محذوف۔

ارکان بحر:-

مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیل (فعولن)

تقطیع:-

تماشا کن، دلے پرسو، ز مادا، مفاعیلن، مفاعیلن، فعولن

کر تا گویا، سوم سرا ے، خدارا، مفاعیلن، مفاعی لن، فعولن

قصہ وامق وعذرا کی تحقیق وتدقیق | صلحی ایران سے[2] گھوم پھر کر ہندوستان پہنچے تھے انہیں سیاحت سے دلچسپی تھی۔ لہذا وہ دہلی سے خاندیس اور پھر مالوہ پہنچے۔ صلحی نے برہان پور میں بھی سکونت اختیار کی ہوگی۔ کیونکہ مرزا دانیال اکثر و بیشتر برہان پور میں سکونت پذیر رہا، اور بقول ڈاکٹر شیخ فرید برہان پوری "مرزا دانیال کا مدفن بھی برہان پور ہی میں ہے"۔

---

[1] مثنوی شیریں خسرو از نظامی گنجوی بھی اسی بحر میں ہے [2] تذکرہ روز روشن۔ از صلحی از مردم ایران بود۔ بر چند ہم جبور نمودہ۔ ظاہراً منظور او از ہمیں صلحی می باشد ص۴۷۳۔ بحوالہ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی موزہ ملی پاکستان۔ از عارف نوشاہی ص ۶۶۱۔

اس دوران سفر و حضر میں بھی ان کا مطالعہ جاری رہا۔ وہ ادب کے بکھرے ہوئے خزانوں کو جمع کرتے رہے۔ چیدہ چیدہ کہانیوں کے اوراق سمیٹتے رہے اور ایک یادگار قصہ کی تلاش و جستجو میں لگے رہے۔

داستان وامق و عذرا کو منظوم کرنے کی امنگ ان کے دل و دماغ میں بسی ہوئی تھی۔ وہ اس قصہ کی گم شدہ کڑیوں کی چھان بین میں لگے رہتے تھے۔ انھوں نے اساتذہ کے کارناموں سے استفادہ کیا۔ قدیم ماخذوں پر نظر ڈالی۔ ان کی کوشش تھی کہ وہ اس قدیم داستان کو نئی آب و تاب خوش آیند الفاظ و معانی، گہرائی اور گیرائی کے ساتھ پیش کرسکیں۔ جس میں عشق حقیقی اور مجازی کے عناصر و عوامل کی نمایاں جلوہ گری ہو۔

خوب سے خوب تر کی تلاش میں صلحی نے تواریخ کا مطالعہ کیا۔ شہروں اور گلی کوچوں کی خاک چھانی۔ جہاں کہیں اس قصہ کے تانے بانے نظر آئے انھیں یک جا کیا اور قصے کے جواہر پاروں سے ادب کے خزانے کو بیش بہا بنایا۔ چنانچہ کہتے ہیں ؎

ز ہر تاریخ کردم جست و جوئی — شدم سرگشتہ در ہر شہر و کوئی
بہر جا گوہری ایں قصہ دیدم — حدیثی ہر کجا از وی شنیدم

قصہ کی تحقیق اور چھان بین کے بعد صلحی نے اطمینان کا سانس لیا اور اس داستان کو موزوں وقت پر نظم کیا تاکہ ان کو اس کا مناسب صلہ مل سکے اور ان کی پذیرائی ہو سکے۔

بفرخ ساعتی اتمام دادم — بہ نظم این قصہ را انجام دادم
ز نوک فکر سفتم این جواہر — وزین فکرش شدم آسودہ خاطر
بیک داستانہا جمع گشتند — ز آشوب پریشانی گذشتند
ورقہا پہلوی ہم آرمیدند — ز جمعیت بہ پیش ہم رسیدند

شاعرانہ تعلی شاعر اپنے فن اور کمال کے اظہار میں عموماً تعلی سے کام لیتا ہے۔ اسے گمان ہوتا ہے کہ یہ نادر نکتہ اسی کے قلم کی تراوش ہے۔ یہ کاوش اس کی ذہنی اپج کی اختراع ہے۔ اس مقام تک اس کی فکر رسا پہنچی ہے۔

صلحی دعویٰ کرتا ہے کہ یہ مثنوی اسی کی فکر بلیغ کی پیداوار ہے۔ اس سے پہلے کسی نے نہیں لکھا ہے۔ گویا قسام ازل نے یہ بات اس کے مقدر میں لکھ دی تھی کہ وہ اس مثنوی کو سب سے پہلے منصۂ شہود پر پیش کرے گا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ؎

بغیر از من کسی ایں در نسفتہ — بجز من ایں حکایت کس نگفتہ
بنام من از ازل چون نامزد بود — بروی ہیچ کس ایں باب نکشود
ز گنج دل بروں دادا این جواہر — رسانیدا این حکایت را بآخر
چو یکچندی درین اندیشہ بودم — ازین اندیشہ فکرت پیشہ بودم

ذہنی اور اختراعی کے دعوی کے باوجود صلحی پس پردہ یہ اقرار کرلیتے ہیں کہ انھوں نے اپنے کمال فن کے ذریعہ فرسودہ داستان کو نئے رنگ و آہنگ کے ساتھ پیش کیا ہے ؎

شدم از وامق و عذرا سخن گوی — برادم این کہن را خلعت نوی

تعلی کے زعم میں صلحی غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ استادانِ فن نے بھی اس قصہ کی طرف توجہ منعطف نہیں کی۔ حالانکہ صلحی سے قبل کئی شعراء نے اس داستان کو منظوم کیا ہے۔ صلحی کا دعوی باطل ملاحظہ فرمایئے:

ز استادان این فن در زمانہ — بنا شد این حکایت در میانہ
کسی این در را نیکو نسفتہ — سراسر حال ایشاں را نگفتہ

مندرجہ بالا استدلال کے بعد صلحی کو اپنی غلطی کا احساس ہوجاتا ہے۔ چنانچہ وہ

کہتے ہیں ؎

ولی اہلِ سخن گاہی بتمثیل	از ایشان قصہ گویند بی قیل
بہر جا نامِ ایشان ہست مذکور	میان مردمان ہستند مشہور
ز ہر تاریخ کردم جست و جوئی	شدم سرگشتہ در ہر شہر و کوئی
بہر جا گوہری زین قصہ دیدم	حدیثی ہر جا از وی شنیدم
بدین درج لآلے درج کردم	باین موزون حکایت خرج کردم

صلمی کی مساعیِ جمیلہ سے داستانِ وامق وعذرا کی بکھری ہوئی داستانیں شیرازہ بند ہوگئیں، داستان کے جستہ جستہ اوراق مجلد ہوگئے اور اس طرح تمثیلی عناصر کا یہ مجموعہ ایک مستند داستان کی شکل میں صوفیانہ معارف کا گلدستہ بن گیا۔ گلہائے رنگا رنگ کی عطر بیزی ہر طرف پہنچ گئی۔ صلمی بھی دوامی شہرت کے مالک بن گئے اور بادشاہِ وقت نے اسے پسند فرما کر قبولِ عام کی سند عطا کی۔ صلمی نے اسے حرفِ آخر سمجھ کر مثنوی کے اختتام کے ساتھ اپنا قلم توڑ دیا ؎

بیک جا داستانہا جمع گشتند	ز آشوبِ پریشانی گزشتند
ورقہا پہلوی ہم آرمیدند	ز جمعیت بہ بیشِ ہم رسیدند
کتابی شد بنامِ عشق بازان	کزان سر لیست کام عشق بازان
ز اوراقِ فلک تا ہست نامی	بود دورِ زمانہ را کلامی!
ورقہایش ہمیشہ جمع باشد	ز ہم شیرازہ اش قطع نباشد

باین جا چون رسید این قصہ ناچار
قلم را سر شکستہ ماند از کار

مکاتیب میں اقبال کی مخصوص روش
اور
ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

از: پروفیسر اکبر رحمانی ☆

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کا پاکستان کے ممتاز اقبال شناسوں، نقادوں اور محققوں میں شمار ہوتا ہے، اقبالیات پر گہری نظر رکھتے ہیں، چند سال پہلے اس موضوع پر ان کے فکر انگیز مضامین کا مجموعہ اقبال ایک مطالعہ (۱۹۸۷ء) کے نام سے اقبال اکاڈمی پاکستان لاہور سے شائع ہوا تھا:

۲۸۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں کل ۱۵ مضامین ہیں جن میں علامہ اقبال کی شخصیت، فن اور افکار و نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے، ڈاکٹر غلام حسین، ذوالفقار فرماتے ہیں:

''تصنیف کے لحاظ سے کچھ معنوی ربط پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یعنی حیاتِ اقبال سے متعلق مضامین شروع میں، اس کے بعد افکار و تصورات، پھر اقبال اور بعض معاصرین یا مشاہیرِ عصر سے ان کا ذہنی و فکری رابطہ اور آخر میں اقبال کے نثری اسلوب کا فنی تجزیہ اور مکاتیب کی سوانحی، شخصی اور ادبی حیثیت کا جائزہ شامل ہے''(۱)

ڈاکٹر صاحب نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے، دیگر نقادوں نے بھی ان موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کے ان مضامین میں تازگی کا احساس ملتا ہے، مطالعہ کی گہرائی و گیرائی پائی جاتی ہے، یوں تو تمام مضامین لائقِ مطالعہ ہیں لیکن میری دلچسپی دو مضامین ۱۔ اقبال خطوط کے آئینے میں اور ۲۔ مکاتیبِ اقبال پر ایک تنقیدی نظر میں رہی، مکاتیبِ اقبال کی سوانحی اور ادبی حیثیت کے جائزے پر مشتمل ان مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار مکاتیبِ اقبال پر کتنی گہری نظر رکھتے ہیں، یہ مضامین قاری کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں اور ایسی باتوں سے آگاہ کرتے ہیں جن پر کم ہی کسی نے غور و فکر کیا ہے، مکاتیبِ اقبال کی ادبی و سوانحی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

☆ ڈائرکٹر ایجوکیشنل اکاڈمی جلگاؤں۔

"اقبال کے خطوط ان کی شخصیت اور افکار کا ایک ایسا صاف، شفاف آئینہ ہیں
جس پر انداز بیان کی کوئی باریک سی تہ بھی نہیں جو حقیقت کو دھندلا سکے" (۲)
"اور پھر یہ خطوط فکرِ اقبال کی من مانی تاویلات کرنے والوں کی راہ میں ایک بہت
بڑی رکاوٹ ثابت ہوتے رہیں گے" (۳)۔

ڈاکٹر صاحب نے مکاتیب اقبال کے مختلف مجموعوں ۔۔۔ اقبال بنام شاد، اقبال بنام جناح، اقبال بنام نیاز الدین خاں، اقبال بنام نذیر نیازی، اقبال بنام گرامی، اقبال نامہ اول، دوم، خطوط اقبال، افکار اقبال اور روح مکاتیب اقبال کا تنقیدی جائزہ لے کر مکاتیب اقبال کی از سر نو ترتیب تدوین کی ضرورت کو واضح کیا ہے، ساتھ ہی ان امور کی بھی نشاندہی کر دی ہے، جو تدوینِ نو کے وقت ملحوظ رہنا چاہئے، ڈاکٹر صاحب نے ایک بڑا کام یہ کیا کہ مختلف مجموعوں میں شامل اقبال کے چند خطوط کی غلط تاریخوں کی داخلی شواہد کی مدد سے تصحیح کی، اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ:

"مکاتیب اقبال کے مجموعوں میں کئی خطوں کی تاریخوں میں التباس موجود ہے، یا تو خود مکتوب نگار سے تاریخ لکھتے وقت سہو ہوا ہے یا مرتبین سے پڑھتے وقت یا کتابت کے کسی مرحلے پر غلط تاریخ لکھ دی گئی اور پھر یہ غلط سلسلہ آگے چلتا رہا" (۴)

مکاتیب اقبال کے مجموعہ "اقبال نامہ" کو اغلاط کا مجموعہ قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر ذوالفقار لکھتے ہیں:

"اقبال نامہ کے مرتب شیخ عطاء اللہ کا جذبہ و شوق قابل داد ہے کہ انہوں نے مناسب وقت پر مکاتیب اقبال کی جمع آوری کا کام شروع کیا اور چند سال میں حضرت علامہ کے بہت سے متفرق خطوط اکٹھے کر کے انہیں اقبال نامہ حصہ اول و دوم میں شائع کر دیا۔ مکاتیب اقبال کے یہ مجموعے از بس قیمتی ہیں لیکن تدوین کے اعتبار سے بھی مجموعے سب سے زیادہ ناقص بھی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مرتب نے مکاتیب کی ترتیب و تدوین کا کوئی اصول و معیار پیش نظر نہیں رکھا، شاید وہ اس فن کے آدمی بھی نہیں تھے، متن اور ترجے کی صحت مکتوب الیہم کی شخصیت اور مکتوب نگار سے تعلق و تاریخوں کے تعین کو غیر ضروری سمجھا گیا، بعض جگہ خطوں کی اصلیت تک بھی پرکھنے کی کوشش نہیں کی گئی، بس جذب و شوق سے جو چیز کہیں سے ملی، اسے شامل کر لیا گیا، اسی لئے اقبال نامہ کے خطوط کی کئی خامیوں پر انگشت نمائی کی گئی ہے، مثلاً لمعہ (۵) صاحب رئیس ٹونڈہ پور (۶) کے نام اقبال کے سارے نہیں تو کچھ خطوط ایسے ضرور ہیں جن کی اصلیت مشکوک ہے اور ان کے جعلی ہونے کی داخلی شہادت واضح طور پر ملتی ہے" (۷)

"کچھ خطوط" کا مطلب ہے، ایک سے زائد۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے صرف ایک خط کو داخلی شہادت کی بنیاد پر جعلی ثابت کیا ہے، انہوں نے یہ حتمی فیصلہ اس بنیاد پر کیا کہ "اقبال تاریخ عام طور پر خط کے شروع میں لکھنے کے عادی تھے، مذکورہ خط میں آخر میں ہے" چنانچہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

"اقبال نامہ حصہ اول ص ۲۸۷ خط بنام محمد عباس علی لمعہ (لمعہ) مسلسل نمبر ۱۶۴ تاریخ محررہ ۲۱ رجون ۱۹۰۴ء خط کے آخر میں دی گئی ہے جو صریحاً غلط ہے، معلوم نہیں یہ سہو مرتب ہے یا سہو کاتب، پھر اقبال تاریخ عام طور پر خط کے شروع میں لکھنے کے عادی تھے، یہاں آخر میں ہے، بہرحال لمعہ (لمعہ) کے نام اقبال کے بعض خطوط متنازعہ فیہ ہیں" (۸)

اگر ڈاکٹر صاحب ان متنازعہ فیہ خطوط کی نشاندہی کر دیتے تو محققین کے لئے نئی راہ کھل جاتی۔

ڈاکٹر ذوالفقار نے مکتوب اقبال بنام لمعہ (محررہ ۲۱ رجون ۱۹۰۴ء) کو جعلی ثابت کرنے کے لئے جس داخلی شہادت کا سہارا لیا ہے وہ نہایت کمزور ہے، ممتاز (اقبال شناس اور مکاتیب اقبال پر گہری نظر رکھنے والے) ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار مکاتیب اقبال کے مختلف مجموعوں کو بہ نظر غائر دیکھتے تو ایسی کمزور داخلی شہادت نہ دیتے۔ ان مجموعوں میں بے شمار مکاتیب ہیں جن میں تاریخ آخر میں لکھی ہوئی ملتی ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب جیسے ماہرِ اقبالیات نے خط کے شروع میں تاریخ لکھنے کو علامہ اقبال کی مخصوص عادت کیسے کہہ دیا؟ کیا انہوں نے علامہ کے اصل خطوط یا ان کے عکوس نہیں دیکھے؟ اصل خطوط میں تاریخ آخر میں ہونے کی کئی مثالیں ملتی ہیں، یہ نہ سہوِ مرتب ہے، نہ سہوِ کاتب، یہ علامہ کے ہاتھ کی تحریریں ہیں۔

خطوط اقبال مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی مکاتیب اقبال کا ایک مستند اور معیاری مجموعہ ہے، اس میں اصل خطوط بھی دیئے گئے ہیں، مرتب نے خطوط کی ترتیب و تدوین کرتے وقت صحتِ متن کا خاص خیال رکھا ہے، اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل خطوط کے آخر میں تاریخیں ملتی ہیں۔

۱۔ خط نمبر ۷ بنام مولوی انشاء اللہ خان (ص ۱۰۰) ۲۔ خط نمبر ۸۔ بنام ملوک چند محروم (ص ۱۰۵) ۳۔ خط نمبر ۱۳۔ بنام خواجہ حسن نظامی (ص ۱۱۹) ۴۔ خط نمبر ۲۴۔ بنام سید شوکت حسین (ص ۱۳۵) ۵۔ خط نمبر ۳۰ بنام شاہ اسد الرحمن قدسی (ص ۱۴۶) ۶۔ خط نمبر ۳۳۔ بنام سید رحمت اللہ شاہ (ص ۱۵۰) ۷۔ خط نمبر ۳۷ بنام ایڈیٹر زمیندار (ص ۱۵۸) ۸۔ خط نمبر ۴۰ بنام سید محمد سعید الدین جعفری (ص ۱۶۳) ۹۔ خط نمبر ۴۳ بنام مدیر نیرنگ خیال (ص ۱۷۰) ۱۰۔ خط نمبر ۴۸ بنام شیخ اکرام الحق سلیم (ص ۱۷۹) ۱۱۔ خط نمبر ۴۹ بنام منشی رام پرشاد (ص ۱۷۹) ۱۲۔ خط نمبر ۵۰ بنام سراج نظامی (ص ۱۸۰) ۱۳۔ خط نمبر ۲۵ بنام سکریٹری

انجمن حمایت اسلام (ص ۲۰۱) ۱۴۔ خط نمبر ۷۷۔ بنام فقیر سید وحیدالدین (ص ۲۳۳) ۱۵۔ خط نمبر ۸۰۔۸۲ بنام قاضی تلمذ حسین (ص ۲۳۷۔۲۳۸) ۱۶۔ خط نمبر ۸۶ بنام ڈاکٹر عبدالباسط (ص ۲۴۶) ۱۷۔ خط نمبر ۸۹۔ بنام سید ہاشمی فریدآبادی (ص ۲۴۹) ۱۸۔ خط نمبر ۹۵ بنام شیخ عنایت اللہ (ص ۲۵۹) ۱۹۔ خط نمبر ۹۹ بنام فضل شاہ گیلانی (ص ۲۶۹) ۲۰۔ خط نمبر ۱۰۵ بنام ڈاکٹر حبیب النساء (ص ۲۷۹)(۹)

سید مظفر حسین برنی نے ''کلیات مکاتیب (۱۰) اقبال'' تین جلدوں میں مرتب کیا ہے، ''کلیات'' کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اصلی خطوط بھی دیئے گئے ہیں، کلیات مکاتیب اقبال جلد اول کے مندرجہ ذیل اصل خطوط میں تاریخ آخر میں ملتی ہے۔

۱۔ خط بنام منشی دیانرائن نگم (ص ۸۵) ۲۔ خط بنام سید عبدالغنی (ص ۲۴۲) ۳۔ خط بنام ضیاءالدین برنی (ص ۳۷۸) ۴۔ خط بنام مہاراجہ کشن پرشاد (ص ۳۸۶) ۵۔ خط بنام محمد دین فوق (ص ۴۳۹) ۶۔ خط بنام شاکر صدیقی (ص ۴۸۳) ۷۔ خط بنام ضیاء الدین برنی (ص ۵۲۸) ۸۔ خط بنام مولانا گرامی (ص ۵۴۷) ۹۔ خط بنام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی (ص ۶۹۵) ۱۰۔ مولانا گرامی کے نام خطوط۔ صفحات نمبر ۵۴۷، ۵۶۳، ۵۶۷، ۵۹۲، ۵۹۴، ۶۰۶، ۶۴۱، ۶۸۶ اور ۷۷۲۔

اسی طرح جلد دوم کے پچیس اور جلد سوم کے پچاس اصل خطوط میں تاریخ آخر میں لکھی ہوئی ملتی ہے۔

یہ مثالیں تو ان خطوط کی ہیں جو بخطِ اقبال ہیں اس لئے یہ شک وشبہہ سے بالاتر ہیں، علامہ نے تاریخ خط کی پیشانی پر بھی لکھی ہے اور آخر میں بھی۔ بعض خطوں میں تو دونوں جگہیں تاریخیں ملتی ہیں، اس لئے علامہ کی مخصوص عادتوں کے بارے میں حتمی فیصلہ سنانے سے پہلے اصل خطوط کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے، علامہ کے خطوط کی دریافت کا سلسلہ بند نہیں ہوا، ہوسکتا ہے کہ آیندہ دریافت ہونے والے مکاتیب اقبال میں کسی نئی بات کا پتہ چلے، اس لئے ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے جس داخلی شہادت کی بنیاد پر مکتوب اقبال بنام لمعہ حیدرآبادی (محررہ ۲۱ر جون ۱۹۰۴ء) کو جعلی ثابت کیا ہے، وہ سراسر گمراہ کن اور بے بنیاد ہے۔

تعجب ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ''اقبال نامہ'' کے چند خطوں میں درج غلط تاریخوں اور سنین کی تصحیح تو کرتے ہیں لیکن مذکورہ بالا مکتوب (اقبال بنام لمعہ میں سن کی جو غلطی ہے اس کی تصحیح نہیں کرتے۔ یہ سچ ہے کہ اس خط میں کوئی ایسا واقعہ یا حوالہ نہیں جس کی مدد سے سن کی تصحیح کی جاتی، لیکن ''اقبال نامہ'' میں یہ خط جس مقام پر شائع ہوا ہے اس کے پیش نظر اس خط کی تاریخ پر شک وشبہہ کا اظہار ضرور کیا جا سکتا تھا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ ''اقبال نامہ'' میں لمعہ کے نام علامہ اقبال کا پہلا خط ۱۹۲۹ء کا تحریر کردہ ہے، اگر مکتوب اقبال بنام لمعہ کی تاریخ درست ہوتی تو مذکورہ مکتوب ۱۹۲۹ء کی جگہ ہوتا، لمعہ حیدرآبادی ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے تھے، پیدائش سے ۷ سال پہلے لمعہ کو اقبال کیسے خط لکھ سکتے تھے؟ مذکورہ مکتوب اقبال بنام لمعہ جس مقام پر شائع ہوا ہے اس سے قبل ۱۰ر اپریل ۱۹۳۵ء کا لکھا ہوا خط ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ سن غلط لکھا گیا ہے۔

ماہر اقبالیات محمد عبداللہ قریشی کی تالیف ''روح مکاتیب اقبال'' اور پروفیسر صابر کلوروی کی کتاب ''اشاریہ مکاتیب اقبال'' ڈاکٹر صاحب کی نظروں سے ضرور گذری ہوگی، اگر وہ مذکورہ خط کو ان کتابوں میں دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ داخلی شہادتوں کی بنیاد پر پروفیسر صابر کلوروی نے اس خط کی درست تاریخ ۲۱ر جون ۱۹۳۴ء (۱۱) اور محمد عبداللہ قریشی نے اس کی صحیح تاریخ ۲۱ر جون ۱۹۳۵ء (۱۲) تحریر کی ہے، راقم کے نزدیک موخرالذکر تاریخ ہی صحیح تاریخ ہے کیوں کہ اس خط میں لمعہ کی نظم ونثر کی بیاض کے محفوظ ہونے اور بالمشافہ ملاقات میں اسے لوٹانے کا ذکر ہے، اس سے پہلے کے دو خطوں میں بھی یہی موضوع ملتا ہے۔

''آپ کے جواہر پارے گنجِ سخن میں محفوظ ہے''۔ (خط مرقوم ۱۰ر اپریل ۱۹۳۵ء)

''یہ سب چیزیں بالمشافہ انشاءاللہ ٹھیک ہوجائیں گی'' (خط مرقوم ۱۳ر مارچ ۱۹۳۵ء)

ان داخلی شہادتوں کی بنیاد پر قیاس آرائی کی جاسکتی ہے کہ مذکور خط ۲۱ر جون ۱۹۳۵ء کا لکھا ہوا ہے۔

مراجع و حواشی

(۱) اقبال ایک مطالعہ۔ غلام حسین ذوالفقار ص ۸ (۲) ایضاً۔ ۲۴۴ (۳) ایضاً ص ۲۳۰ (۴) ایضاً ص ۲۵۳ (۵) ڈاکٹر صاحب نے ہر جگہ لمعہ کو ''لمحہ'' لکھا ہے جو ایک فاش غلطی ہے جب کہ اقبال نامہ حصہ اول میں لمعہ درج ہے (۶) انگریزی میں Tondapur کہا جاتا ہے لیکن صحیح تلفظ اور املا ''تونڈاپور'' ہے (۷) اقبال ایک مطالعہ ص ۲۴۸ (۸) ایضاً ص ۲۵۹ (۹) خطوط اقبال، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ اقبال صدی پبلی کیشنز، دہلی ۱۹۷۷ء (۱۰) کلیات مکاتیب اقبال شائع کردہ اردو اکاڈمی دہلی، ۱۹۸۹ء۔ ۱۹۹۳ء، (۱۱) اشاریہ مکاتیب اقبال۔ اقبال اکاڈمی، پاکستان، لاہور ۱۹۸۴ء، ص ۸۷ (۱۲) روح مکاتیب اقبال، اقبال اکاڈمی پاکستان، لاہور ص ۵۶۳۔

مطبوعات جدیدہ

المعارف ازامام ابن قتیبہ الدینوری مترجم جناب پروفیسر علی محسن صدیقی بڑی تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۵۳۶، قیمت ۳۵۰ روپے پتہ: ویلکم بک پورٹ، اردو بازار کراچی۔

تیسری صدی ہجری کے امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ، تاریخ اسلام کے ائمہ مشاہیر میں ہیں، کوفہ و بغداد میں ولادت ونشو ونما کے باوجود ان کی نسبت دینوری زیادہ مشہور ہوئی، وہ صاحب تصانیف کثیرہ تھے، علوم قرآن وحدیث اور ادب وتاریخ پر ان کی نظر کامل تھی، ان کی کتابوں میں کتاب المعارف کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، جس میں ابتدائے آفرینش سے عہد اسلام تک انبیائے کرامؑ اور تاریخ اسلام میں حضور اکرم ﷺ، صحابہ کرامؓ، خلفائے بنی امیہ و بنی عباس اور تیسری صدی ہجری کے اوائل تک کے اصحاب علم وفضل کا ایسا دلچسپ اور معلومات سے پر ذکر ہے، جس کو بجا طور پر امام دینوری کے اولیات میں شمار کیا جاسکتا ہے، امام صاحب کی جدت طبع نے بعض ایسے عناوین کا انتخاب کیا جن سے عام طور پر صرف نظر ہی کیا جاتا، مثلاً المتمہا جرون، جسمانی نقائص والے افراد، دراز قد، پستہ قد، ضرب المثل کی حد تک مشہور ہونے والے اور حد یہ کہ شکم مادر میں زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم رہنے والے وغیرہ، اس طرح یہ کتاب تاریخی معلومات کے لحاظ سے گویا اسلامی تاریخ میں پہلی انسائکلوپیڈیا ہوگئی، ایجاز واختصار کی خوبی بھی اس کی نمایاں خصوصیت ہے، خود امام صاحب نے اس کی جانب مقدمے میں اشارہ کیا ہے، زیر نظر کتاب اس بے نظیر موسوعہ کا عمدہ، سلیس، شگفتہ اردو ترجمہ ہے جس میں فاضل مترجم نے امام دینوری کے حالات، کتاب المعارف کے امتیاز اور منہج ترجمہ پر عالمانہ مقدمہ بھی سپرد قلم کیا ہے امام دینوری نے اپنے مقدمہ میں لکھا تھا کہ قد بلغت لك فيه همة النفس و ثلج الفواد، اس کا ترجمہ کیا گیا کہ "اس کتاب کے ذریعہ تمہارے لئے آرزوئے جان اور تسکین قلب کا سامان میں نے بہم پہنچادیا ہے"۔ فاضل مترجم نے احتیاط کے پیش نظر ایسی روایتوں کے آگے ضروری حواشی بھی دے دیے ہیں جو عام اسلامی روایتوں کے برخلاف ہیں، نیز اسرائیلیات کی جانب بھی اشارہ کردیا ہے کہ ان کی

صحت کو جزوی طور پر تو تسلیم کیا جاسکتا ہے، لیکن کلی طور پر یقین نہیں کیا جاسکتا، مثلاً یوم السبت کی فضیلت، ذبح مکہ، نبوت جرجیس، انبیائے کرامؑ کی عمر اور ان کے درمیان فاصلہ مدت کی تعیین وغیرہ، البتہ حضرت علیؓ کے ذکر میں یہ انداز پسندیدہ نہیں کہ "وہ پایاں کار قتل کردیے گئے" شہید کردیے گئے زیادہ مناسب تھا، زیاد بن ابی سفیان کے ساتھ خصوصی طور پر رحمہ اللہ تعالیٰ کا التزام ہے لیکن یہ اصل کتاب میں بھی موجود ہے۔

املائے غالب: از جناب پروفیسر رشید حسن خاں متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۱۶، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: غالب انسٹی ٹیوٹ، ایوان غالب مارگ، نئی دہلی۔۲

اردو املا، اس کتاب کے فاضل گرامی مصنف کا خاص موضوع ہے، اس باب میں وہ ایسے صاحب اجتہاد ہیں جن سے اختلاف ممکن ہے لیکن ان کی فضیلت واولیت سے انکار مشکل ہے، اب ان کی طبع رسا اور دقت نظر نے غالبیاتی تحقیق کی ایک پیچیدہ اور مشکل راہ کو ہموار اور آسان کیا ہے یعنی مرزا غالب کے عکس تحریر کی مدد سے املا کے باب میں توجہ طلب الفاظ کا گوشوارہ اس مقصد سے مرتب کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کے اردو، فارسی کلام کی تدوین میں محققین ومرتبین کو جن مشکلات کا سامنا ہوسکتا ہے ان کی نشان دہی کی جائے، مرزا صاحب کے خصائص میں صحت املا پر خاص توجہ اور املائی غلطیوں کی اصلاح بھی شامل ہے، ان کا قول ہے کہ "کاتبوں کی املا کو مصحف مجید کی طرح کیوں کر سر پر دھرلوں" ان غلطیوں کو انگیز کرنا ان کے نزدیک مانند جماد ونبات ہوجانا تھا، مرزا صاحب کے اس قسم کے خیالات ان کی تحریروں میں بکھرے ہوئے ہیں لیکن ستم ظریفی ہے کہ خود ان کے دیوان اور دوسری تصنیفات کے مطبوعہ نسخوں میں املا کی یکسانی نہیں، فاضل محقق کی نظر میں فارسی کلام غالب میں تو آداب تدوین کی پابندی ہی نہیں، املا کے مسائل پر کیا توجہ ہوتی؟ یہی احساس اس کتاب کا محرک ہوا اور حق یہ ہے کہ حق ادا کردیا گیا، پہلے حصہ میں جو کتاب کے تین چوتھائی حصے سے زیادہ ہے الفاظ کا گوشوارہ ہے اور دوسرے حصے میں مرزا صاحب کی وضاحتوں کی روشنی میں املا کے قاعدوں کو ضروری مثالوں اور قول فیصل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، الفاظ کی فنی بحث میں لسانیات سے تعلق رکھنے والوں کے لئے سامان نشاط وافر ہے اور اصول وطریق کار والے حصے میں دعوت فکر ونظر ہے جہاں فاضل مصنف نے املا اور روش کتابت کے فرق پر بار بار توجہ دلائی ہے اور "یکسانی املا" کے 'اچھے فائدے' کی تلقین بھی کی ہے، وہ انگریزی الفاظ کے غالبی املا میں تبدیلی کو تحریف اور اس کو ناقابل قبول مانتے ہیں لیکن بعض دوسرے

الفاظ کے متعلق یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو متن میں صحیح صورت میں ہی لکھا جانا چاہیے، صحت املا اور روش کتابت کے فرق کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت کے ساتھ ممکن حد تک املا میں یکسانی کی آرزو بھی کی گئی ہے، اس عالمانہ بحث میں ایسے کئی مقامات ہیں جہاں ھل من مزید کا احساس ہوتا ہے، گویا اور نکتہ دانوں کے لئے صدائے عام بھی ہے، بے شبہ غالب انسٹی ٹیوٹ کی یہ پیشکش اس کی شان کے شایاں ہے۔

جگن ناتھ آزاد بحیثیت شاعر : از جناب محمد جمشید رضوانی، متوسط تقطیع عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۳۶، قیمت ۲۰۰/روپے، پتہ: انجمن ترقی اردو (ہند) اردو گھر ۲۱۲۔ راؤز ایونیو، نئی دہلی ۲۔

جگن ناتھ آزاد کی شخصیت، شاعری، تنقید، نثر نگاری اور اقبال پرستی کے اعتراف میں کتابیں برابر آتی رہتی ہیں، ہنوز ان کی قدر دانی اور مرتبہ شناسی جاری ہے، زیر نظر کتاب بھی اسی ذیل میں ہے، جس میں غزل نظم، رباعی، قطعہ اور بچوں کی شاعری کے وسیع کینوس پر ان کی شاعری کا ایک خوبصورت مرقع تیار کیا گیا ہے، یہ دراصل خواجہ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے شعبہ اردو کا ایک تحقیقی مقالہ ہے، جس میں مقالہ نگار نے محنت اور سلیقے سے جناب آزاد کی شاعری کی قدر و قیمت متعین کی ہے کہ غزل اور نظم دونوں میں موضوع کی جدت و تنوع جناب آزاد کی شاعری کی خاص خوبی ہے، شائستگی، پاکیزگی اور اثر انگیزی اس پر مستزاد، اقبال کے لہجے اور روح کا عکس اوروں کی بہ نسبت ان کے ہاں سب سے نمایاں ہے، ایک مفصل باب شخصیت کے متعلق ہے اور کئی ضمیمے بھی ہیں جن سے افادیت بڑھ جاتی ہے۔

متاع شعر و ادب : از جناب علیم صبا نویدی، ترتیب محترمہ راحت سلطانہ و جاوید حبیب، متوسط تقطیع عمدہ کاغذ و طباعت بہتر، صفحات ۳۳۶، قیمت ۳۰۰/روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، دہلی، علی گڈھ، ممبئی۔

تامل ناڈو میں گلشن اردو کی آبیاری میں جن شخصیتوں کا خون جگر شامل ہے ان میں جناب علیم صبا نویدی کا نام نمایاں ہے، تاریخ، تذکرہ نویسی، ادب و تنقید، شاعری اور افسانہ نویسی میں فیض صبا، اب تمیں سے زیادہ کتابوں کی شکل میں جاری ہے، اس کتاب میں ان کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ ۱۰۶ کتابوں پر تبصرے یکجا کئے گئے ہیں، کتابی تبصروں کے مجموعے اردو میں کم ہیں، اس میں یہ ایک اچھا اضافہ ہے، جس سے کتابوں کے تعارف کے علاوہ خود صاحب تبصرہ کے ذوق نظر اور پیمانہ حسن و قبح کا اندازہ ہوتا ہے۔

سچی باتیں (جلد اول): از مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، مرتب جناب مولوی نعیم الرحمن صدیقی ندوی، متوسط تقطیع عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۲۱۶، قیمت ۷۵/روپے پتہ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلما، لکھنؤ۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کے ہفتہ وار اخبار سچ اور صدق کی سچی باتوں نے اردو کی صحافت کو دینی، اخلاقی اور ادبی حیثیت سے جس طرح مالا مال کیا اس کی نظیر اردو کیا دوسری زبانوں میں مشکل سے ملے گی، صدق کی شہرت و مقبولیت میں اس کے دوسرے مستقل کالموں میں اولیت سچی باتوں کو حاصل تھی، اب یہ شہ پارے ہزارہا صفحات کی فائل میں خزانہ علمیہ کی حیثیت سے محفوظ ہیں وقتاً فوقتاً ان کو یکجا کر کے شایع کرنے کی کوششیں ہوتی رہیں، اب مولانا مرحوم کے خانوادہ کے ہونہار اور سعید فرزند نے یہ ذمہ داری اپنے سر لی ہے، زیر نظر کتاب اسی سلسلہ کی پہلی کڑی ہے جس میں ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۷ء تک کی سچی باتیں شامل کی گئی ہیں، مولانا مرحوم احتساب عمل کی غرض سے رخش عمر کی بعض منزلوں کو طے کرنے پر مخصوص انداز سے تجزیہ کرتے تھے، اس قسم کی تحریروں کو بھی یکجا کر دیا گیا ہے، انشائے ماجدی کا یہ گلدستہ مشام روح کو تازگی و بالیدگی بخشتا ہے، اس کے قدردانوں کے لئے یہ ایک اور عمدہ تحفہ ہے۔

دیوان رنجور (نسخہ خدا بخش لائبریری): از جناب رنجور عظیم آبادی، متوسط تقطیع عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۱۵۷، قیمت ۸۰/روپے، پتہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ۔۴

مولانا ابوالکلام آزاد کے ممدوح و مکتوب الیہ، رنجور عظیم آبادی اپنے عہد میں شمس العلما اور خان بہادر کے خطابات سے سرفراز ہوئے، ادیب و شاعر تھے، رباعی گوئی میں خاص ملکہ تھا، ایک مجموعہ رباعیات شائع بھی ہوا تھا، لیکن کلام کا زیادہ حصہ ان کی مستغنی شخصیت کی طرح شہرت سے دور رہا، خدا بخش لائبریری میں ان کی کچھ بیاضیں موجود تھیں جن کو کلام رنجور اور بیاض رنجور کے نام سے شایع کیا گیا، اب زیر نظر دیوان ان کی تین اور بیاضوں پر مشتمل ہے جس میں غزلیں، نظمیں، تضمینیں اور کچھ ظریفانہ اشعار ہیں، تضمینات سے ان کی قادر الکلامی نمایاں ہے۔

اک سخن اور: جناب مضطر مجاز، متوسط تقطیع بہتر کاغذ و عمدہ طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۴۴، قیمت ۸۰/روپے، پتہ: مکتبہ شعر و حکمت

6-3-6509/2 کپاڈیہ لین، سوماجی گوڑہ، حیدر آباد۔۴

حیدر آباد کی بزم شعر وسخن کے مضطر مجاز، اقبال کے فارسی کلام کے منظوم اردو مترجم کی حیثیت سے معروف ہیں، وہ خود ایسے شاعر ہیں جن کو 'منفرد شناخت' کا حامل بتایا گیا ہے، زیر نظر مجموعہ سے بھی یہ اس قول کی صداقت نمایاں ہے جس میں احساس کی شدت، جذبات کی حدت اور لہجے کی تلخی و ترشی آج کے موسم شہر آشوب کی کیفیت کی غمازی کرتی ہے اور اسی لئے اس میں اثر ہے۔

دلت سمسیا، جڑ میں کون (ہندی): از جناب **انتظار نعیم**، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت بہتر، صفحات ۲۳۷، قیمت ۸۰ روپے، **پتہ: ساہتیہ سوربھ، ۱۷۸۱، حوض سوئی والان، نئی دہلی ۲۔**

ہندوستان کے دلتوں اور ہریجنوں کے مسائل و مشکلات کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے، بنی نوع انسان کے اس طبقہ کی بدنصیبی اور ذلت و محرومی کی مثال شاید ہی اس درجہ کہیں اور ملے، گذشتہ ایک صدی سے اس محروم و مقہور طبقے میں گردش ایام نے تغیر و تبدل احوال کی ایک رمق پیدا کی جواب توانا لہر کی شکل اختیار کرتی جاتی ہے، صدیوں سے اس طبقہ کا استحصال کرنے والوں نے اس کو بے اثر کرنے کے لئے جہاں اور حربے اختیار کئے وہیں چھوت چھات اور نسلی امتیاز کے اسباب کو اسلام اور اسلامی ہند کی حکومتوں کے سر تھوپنے کی کوشش کی، لائق مصنف نے مکر و تدلیس کی اس سازش کے پیش نظر اس کتاب میں بہ دلائل ثابت کیا کہ اصل حقیقت کیا ہے، انہوں نے آدھار، الگاؤ، ادھیکار، دمن درد، اتیاچار، آکروش جیسے عنوانوں کے تحت ویدک عہد کے نظام ذات پات، ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں اس طبقہ سے متعلق احکام اور تاریخ کے حقائق بیان کر دیئے اور آخری باب شانتی میں بڑی خوبی سے بتایا کہ مذہب وہی ہے جس سے شخصیت کی نمو و ارتقا ہوا اور اس کے لئے انہوں نے اسلام کے نظام مساوات کے احسانات کی جانب واضح اشارہ کر دیا، ان کا مقصد بھی صاف ہے کہ دلت مسئلہ کی بنیاد، اس کے ماضی و حال کی سچائیوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے بہوجن سماج کے لئے اسلام اور مسلمانوں کا شاندار کردار سامنے آجائے اور دلتوں کے درد کا مداوا ہو سکے۔ یہ کتاب وقت کی اہم ضرورت کو پورا اور اپنے موضوع سے انصاف کرتی ہے۔

(ع۔ص)

☆☆☆☆☆